147
سیریز
شوبراساحل
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم
سیریز
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
147
شوبر ساحل
اشتیاق احمد

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ـــــ
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ـــــ
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ـــــ
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ـــــ
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلامُ علیکم!

پھر وُہی دو باتیں ـــ دھت تیرے کی ـــ آخر یہ دو باتیں کب ختم ہوں گی، ان سے آپ کا پیٹ کب بھرے گا، مَیں کب ان سے نجات حاصل کر سکوں گا؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں، شاید نہیں ـــ اس لیے کہ آپ کو تو ناول دو باتیں کے بغیر ادھورا ادھورا معلوم ہوتا ہے ـــ حالاں کہ دو باتیں سے ناول کی کہانی کا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا ـــ پہلے اگر کبھی واسطہ ہوتا بھی تھا تو مَیں نے اس واسطے کو بھی ختم کر دیا ـــ شاید اس وقت ذہن میں یہ بات تھی کہ جب دو باتیں کا تعلق ناول کی کہانی سے بالکل ختم ہو جائے گا تو پھر دو باتیں کی اہمیت بھی ختم ہو جائے گی اور اس طرح ایک دن

میں دو باتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لوں گا، لیکن میرا یہ خواب پورا نہیں ہو سکا۔ دو باتوں کی حیثیت اپنی جگہ مسلّم رہی۔ بلکہ چیٹ پٹی دو باتوں کا مطالبہ ہے کہ زور ہی پکڑتا جاتا ہے۔ اور یہ شیطان کی آنت کی طرح مجھے اپنی لپیٹ میں ہی لیے جاتی ہیں۔ ہے کوئی آپ کے پاس ترکیب۔ اب تو میں خود بھی فرزانہ کی ضرورت محسوس کرنے لگا ہوں۔ لیکن۔ اب مجھے فرزانہ کا پتا کون بتائے۔ کون بتائے۔

خاص چال

"باس! انسپکٹر ساجد آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کیوں، اسے کیا ہوا؟" ایک کھُردری آواز اُبھری۔

"پتا نہیں باس، اس کا کہنا ہے، وُہ اصل بات آپ کو ہی بتائے گا۔"

"اچھا! اسے آنے دو۔"

"بہت بہتر باس۔ میں ابھی اسے لے کر آتا ہوں۔"

ایک منٹ بعد پھر وُہی آواز اُبھری:

"باس! انسپکٹر ساجد آپ کے دروازے پر کھڑے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جولی! اسے اندر بھیج دو اور تم اپنی جگہ پر جاؤ۔ باہر کی طرف نظر رکھو۔"

"او کے باس۔" جولی نے کہا اور ایڑیوں پر گھوم گیا۔

انسپکٹر ساجد دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ باس اس کے سامنے موجُود تھا، ایک لمحے کے لیے وُہ کانپ کر رہ گیا، پھر

جی کڑا کر کے بولا:

"ہیلو باس - کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے انسپکٹر - انسپکٹر - میں نے منع کیا تھا نا - میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرنا - تمھارا حصہ ہر ماہ تمھیں ملتا رہے گا - اور میرا خیال ہے - ابھی تک - پہلی تاریخ سے دوسری بھی کبھی نہیں ہوئی - حصہ تمھارے پاس پہنچ جاتا ہے - اور اگر حصے میں اضافے کا معاملہ ہے تو بھی تم میرے آدمی کے ذریعے کہلوا دیتے - تمھارا یہاں آنا حد درجے خطرناک ہے - تم سے بڑی بھاری غلطی ہوئی - خیر - تم میرے ساتھی ہو - مجھے ہر ممکن مدد دیتے ہو - پولیس کی کارروائیوں کی اطلاعات بر وقت مجھے پہنچاتے ہو - اس لیے میں تمھاری اس غلطی کو معاف کرتا ہوں - اب بتاؤ - آخر وہ کون سی مجبوری تھی - جس نے تمھیں یہاں آنے پر مجبور کر دیا۔"

"شکریہ باس - آپ بہت فراخ دل ہیں، لیکن میں بہت مجبور تھا - ایک بہت بڑی پریشانی نے مجھے آگھیرا ہے۔"

"بیان کرو - پریشانی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"انسپکٹر جمشید کو مجھ پر شک ہو گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" باس نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں! یہی وہ اطلاع ہے - جو میں آپ کو دینے آیا ہوں۔"

"تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو؟"

"ایک سادہ لباس والا ہر وقت میرے تعاقب میں رہتا ہے - اپنے تھانے میں بھی میں نے چند عجیب قسم کے آلات خفیہ جگھوں پر دیکھے ہیں - وہ ضرور آواز کھینچ کرنے کے آلات ہیں - نہ جانے - وہ اس نے کس ذریعے سے پولیس اسٹیشن میں لگوا دیے - بہر حال - اس کے کام کرنے کا طریقہ بہت عجیب ہے - کسی کو پتا بھی نہیں چلتا اور وہ عین سر پر پہنچ جاتا ہے۔"

"ہاں! میں نے اس کا بہت ذکر سنا ہے - کیا تمھیں یقین ہے - اسے تم پر شک ہو چکا ہے۔"

"ہاں! تعاقب کرنے والے کو میں نے پہچان لیا ہے - وہ انسپکٹر جمشید کا ایک خاص آدمی ہے۔"

"اوہ! تب تو معاملہ سنگین ہے - اب کیا کیا جائے؟"

"میں نے اپنا فرض جانا کہ آپ کو خبر کر دوں۔"

"اور تم نے بہت اچھا کیا۔"

"شکریہ باس - آپ جو مناسب سمجھیں، قدم اٹھائیں اور مجھے بتا دیں۔"

"پہلے تو یہ بتاؤ - تمھیں یہاں آتے تو کسی نے نہیں دیکھا؟"

"جی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر سادہ لباس والا ہر وقت تمہاری نگرانی کرتا رہتا ہے تو پھر وہ تمہارے تعاقب میں یہاں تک کیوں نہیں پہنچا ہوگا؟"

"آج میں نے ایک خاص چال چلی ہے۔ وہ بھی صرف یہاں تک آنے کے لیے۔ ورنہ انسپکٹر جمشید کے آدمی کو غچہ د اوّل تو آسان نہیں۔ دُوسرے یہ کہ غچہ دینا نقصان دہ بھی۔ اس طرح تو اسے یہ یقین ہو جاتے گا کہ میں ضرور وہ کام کر ہوں۔ جس کے بارے میں اسے شک ہے۔"

"ہوں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ خیر۔ وہ خاص چال کیا تھی"

"ایک سڑک پر ایک کاروباری عمارت ہے۔ اس کا دروازہ دُوسری سڑک پر کھلتا ہے۔ میں اس عمارت میں د ہوگیا۔ اپنی جیپ میں نے دروازے کے پاس کھڑی کر تھی۔ اور دُوسرے دروازے سے نکلتے ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گ اس طرح میں آپ تک پہنچا۔"

"تب تو انسپکٹر ساجد تم نے ایک اور غلطی کی۔ ٹیکسی ڈرا کو یہاں تک لے آئے۔"

"نہیں باس۔ اسے میں نے یہاں سے بہت دُور چ دیا تھا۔"

"چلو خیر۔ یہ ایک عقل مندی تم سے سرزد ہو ہی گئی۔"

"اب کیا کرنا ہے باس؟"

"یہی میں سوچ رہا ہوں۔"

"تو پھر جلدی سوچ لیجیے باس۔ مجھے ابھی پولیس اسٹیشن بھی پہنچنا ہے۔"

"تمہاری خدمات بہت عمدہ ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔" باس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ باس۔" انسپکٹر ساجد نے خوش ہو کر کہا۔

"میں جولی کو بلاتا ہوں۔" باس نے کہا اور گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

جلد ہی قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر جولی کی آواز اُبھری:

"کیا حکم ہے باس؟"

"اندر آجاؤ جولی۔"

"م۔ میں اندر آجاؤں۔" جولی نے گھبرا کر کہا۔ وہ باس کے سامنے کھڑے ہونے سے بہت ڈرتا تھا اور باس بھی اپنے کسی ملازم کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ دروازے پر کھڑے کھڑے ہی ہر ملازم بات کر لیتا

تھا۔

"ہاں جولی! میں نے کہا ہے، اندر آ جاؤ۔"

"او۔ اوکے باس۔" اس نے کہا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ باس پر نظر پڑتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

"خیر تو ہے جولی۔ تمہیں سردی لگ رہی ہے کیا۔ لیکن موسم تو قدرے گرم ہے۔"

"یس باس۔ مم۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔"

"ہوں۔ خیر۔ انسپکٹر ساجد کو دیکھ رہے ہو جولی۔"

"یس باس۔ بالکل دیکھ رہا ہوں۔"

"اس پر انسپکٹر جمشید کو شک ہو گیا ہے۔"

"کیا!!!" جولی چلا اُٹھا۔

"ہاں جولی۔ ہے نا بُری بات؟"

"بب۔ بہت بُری بات۔"

"انسپکٹر ساجد صاحب کو اپنے ساتھ لے جاؤ جولی۔"

"جی بہتر۔"

"ہاتھ اوچھا نہ پڑے جولی۔"

"او کے باس۔"

"کک۔ کیا مطلب باس۔" انسپکٹر ساجد نے لرز کر کہا۔

"کچھ نہیں انسپکٹر ساجد۔ انجمن کی بھلائی اسی میں ہے کہ تمہیں

دُوسری دُنیا کے سفر پر روانہ کر دیا جائے۔"

"بب۔ باس۔" انسپکٹر ساجد کی آواز میں بلا کی لرزش آ گئی۔

"ہاں انسپکٹر۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

"لل۔ لیکن باس۔ مم۔ میری خدمات کا تو خیال کریں۔"

"ہاں انسپکٹر۔ تم نے واقعی شان دار خدمات انجام دیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں، لیکن تمہیں انتہائی باقاعدگی سے ان خدمات کا معاوضہ بھی ملتا رہا ہے۔ اب جب کہ انجمن تمہاری وجہ سے خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ تو تمہارا وجود کس طرح برداشت کیا جا سکتا ہے۔ نہیں مسٹر ساجد۔ یہ انجمن کے اصول کے خلاف ہے۔ اور تم تو جانتے ہی ہو۔ میں انجمن کا ایک معمولی کارکُن ہوں۔"

"بب۔ باس۔ آپ ہی انجمن کے سب کچھ ہیں۔ اور میرے چھوٹے چھوٹے بچّے ہیں۔ ان کا تو کچھ خیال کریں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔ ان کا خیال کیا جائے گا۔ تمہاری بیوہ اور بچّوں کو ماہانہ ایک مقررہ رقم ملتی رہے گی۔"

"اُف باس۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں مجبور ہوں انسپکٹر۔ بہت مجبور۔"

"جولی۔ ہمارے دوست کو کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔"

"او کے باس۔ آئیے انسپکٹر ساجد چلیں۔"

"بب۔ بب۔ باس۔ باس۔"

"جاؤ انسپکٹر ساجد۔ بچوں کی طرح ضد نہیں کیا کرتے۔ مردوں کی طرح جا کر خود کو موت کے حوالے کر دو۔"

"باس۔ آپ بہت ظالم ہیں۔ بہت سنگ دل ہیں۔ کاش میں یہاں نہ آیا ہوتا۔ بلکہ سیدھا انسپکٹر جمشید کے پاس چلا گیا ہوتا اور انھیں سب کچھ صاف صاف بتا دیتا۔ وہ ضرور مجھ سے رعایت کرتے۔ شاید سزا بھی معاف کرا دیتے۔"

"یہ اپنا اپنا اصول ہے۔"

"انسپکٹر صاحب۔ اب چلیے۔" جولی نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر زور دار دھکا دیا۔

انسپکٹر ساجد لڑکھڑا کر دروازے پر گرا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی، کیوں کہ ساتھ ہی چاقو کھلنے کی کڑکڑاہٹ گونج اٹھی۔

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔"

"یہاں نہیں جولی۔ باہر جا کر۔"

"فکر نہ کریں باس۔"

جولی نے آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ سے انسپکٹر ساجد کو گریبان سے پکڑ کر دروازے سے باہر گھسیٹ لیا۔ دروازہ بند ہو

ہوئے انسپکٹر ساجد نے باس کی آواز سنی:

"الوداع! انسپکٹر ساجد۔ آخری بار الوداع۔"

اور ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی نہ جانے انسپکٹر ساجد کو کیا ہوا، اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پستول نکال لیا۔

"یہ کیا انسپکٹر ساجد۔" جولی وحشیانہ انداز میں ہنسا۔

"جب مرنا ہی ہے تو پھر تم میں سے ایک دو کو لے کر کیوں نہ مروں۔"

"لیکن تمھارے تو ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ پستول کس طرح چلاؤ گے۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"پیچ۔ چلا لوں گا۔"

"تو پھر چلاؤ۔ دیکھتے ہیں، تم میں کتنی ہمت ہے۔"

انسپکٹر ساجد نے پستول والا ہاتھ سیدھا کیا۔ ٹریگر پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی، لیکن ٹریگر نہ دبا۔

"میں نے کہا تھا نا۔ انسپکٹر ساجد۔ تم سے گولی نہیں چلے گی، اس لیے کہ تم تو پول کا مال کھاتے رہے ہو۔"

"اور تمھارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" انسپکٹر ساجد چلایا۔

"ہم تو کام ہی یہ کرتے ہیں، لیکن تم تو سرکاری ملازم

تھے۔ اگر چاہتے تو اس ناجائز کام سے خود کو بچا سکتے تھے۔
لیکن لالچ تم پر غالب آگیا اور تم باس کے جال میں پھنس گئے۔"

"یہ۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو جولی۔ اگر باس تمھارے یہ
الفاظ سن لے تو"

"میں نے باس کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی۔"

"اوہ۔ اب میں اپنے جسم میں طاقت محسوس کر رہا ہوں۔
میں۔ میں تم پر گولی چلا سکوں گا۔"

"تو پھر چلاؤ۔ انتظار کس بات کا کر رہے ہو۔"

انسپکٹر ساجد نے ایک بار پھر پستول سیدھا کیا اور ٹریگر پر
دباؤ ڈالا، لیکن عین اسی وقت کھچ کی آواز ابھری۔ ایک چیخ
بلند ہوئی اور انسپکٹر ساجد کا جسم نیچے گر کر تڑپنے لگا۔

فوراً دوڑتے قدموں کی آواز ابھری۔

"کیا ہوا جولی؟"

"انسپکٹر ساجد دوسری دنیا کے سفر پر جا رہا ہے۔"

"کک۔ کیوں۔ اس نے کیا کیا؟"

"اس پر انسپکٹر جمشید کو شک ہو گیا تھا۔"

"اوہ۔ اوہ۔"

"چلو رومر۔ اسے اٹھاؤ۔ لاش کو ٹھکانے لگائیں۔"

"تو اس جگہ قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" رومر نے جھنا
کر کہا۔

"یہ مجھ پر فائر کرنے لگا تھا۔"

"اوہ اچھا۔ خیر آؤ۔ تم بھی میری مدد کرو۔"

دونوں نے مل کر انسپکٹر ساجد کی لاش اٹھائی۔ چاقو ٹھیک
دل کے مقام پر لگا تھا۔ اس لیے اسے ختم ہونے میں زیادہ
دیر نہیں لگی تھی۔

جلد ہی ایک کار کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

جال میں

"ہے کوئی۔ جو میرے ساتھ ساحلِ سمندر پر چلے۔" فاروق نے ہانک لگائی۔

"ساحلِ سمندر پر جانے کا بھوت تو سوار نہیں ہو گیا تم پر" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"بھئی صرف آج صبح سے ہی تو ساحل ساحل کر رہا ہے۔ دو چار دن سے تو نہیں کر رہا۔" محمود مسکرایا۔

"گویا ایک ہفتے سے کر رہے ہوتے یہ حضرت تو پھر یہ کہا جا سکتا تھا کہ ان کے سر پر بھوت سوار ہو گیا ہے۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سمندر کی لہریں مجھے پکار رہی ہیں۔ پکار پکار کر تنگ آ گئی ہیں۔"

"تب تو اب تک خاموش ہو گئی ہوں گی۔" محمود بولا۔

"نہیں۔ وہ اتنی جلدی تھکنے والی نہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اگر ایسا ہی ہے تو تم اکیلے کیوں نہیں چلے جاتے۔" فرزانہ بولی۔

"ساحلِ سمندر پر اور اکیلے۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"تو کیا پوری فوج لے کر جانا چاہیے۔"

"اوہ۔ فوج۔ ہاں واقعی۔ فوج کے ساتھ تو زیادہ مزا آئے گا۔ ٹھہرو۔ میں فون کرتا ہوں۔" اس نے چلّا کر کہا۔

"لو۔ آ گئی مصیبت فون کی۔" فرزانہ نے محمود کی طرف دیکھا۔

"لاؤ۔ کیا دینا چاہتی ہو۔"

"فاروق بننے کی کوشش نہ کرو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ناکام کوشش کہو۔ کامیاب کوشش تم سے کہاں ہو گی۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا اور پھر فون پر خان رحمان کے نمبر گھمانے لگا۔ سلسلہ فوراً ہی مل گیا:

"ہیلو انکل۔ ساحلِ سمندر کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"پتا نہیں۔ بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔" دوسری طرف سے خان رحمان بے خیالی میں بولے۔

"میں پروفیسر داؤد انکل کی نہیں۔ ساحلِ سمندر کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"اوہ۔ تو پہلے کیوں نہیں بتایا۔ خیر+ ہاں تو ساحلِ سمندر

کو کیا ہوا؟

"ہمارے بغیر کچھ اداس ہے۔"

"اوہ! یہ تو بہت بُری بات ہے۔"

"تو پھر سب لوگ آجائیے نا۔ یہاں۔"

"ہاں! آنا ہی ہوگا۔"

"اور میں پروفیسر انکل کو بھی فون کر رہا ہوں۔"

"ضرور کرو۔ اگر وہ آئیں بائیں شائیں کریں تو میرا نام لے دینا۔"

"بہت بہتر انکل۔ شکریہ۔"

فاروق نے خوش ہو کر کہا اور پروفیسر داؤد کے نمبر ملانے لگا:

"اب آئے گا مزا۔" اس نے نمبر ملاتے ہوئے محمود اور فرزانہ سے کہا۔

"خام خیالی ہے تمھاری۔" فرزانہ ہنسی۔

"خام خیالی ہو گی خود تمھاری۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"کیا کہا۔ یہ تم ہو فاروق۔ کیا اوٹ پٹانگ بول رہے ہو۔"

"اوہ معاف کیجیے گا انکل۔ یہ اوٹ پٹانگ بات میں نے آپ سے نہیں کہی تھی۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"تو پھر۔ میرے فرشتوں سے کہی تھی۔"

"جی نہیں۔ ان سے تو مدت ہوئی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔"

وہ بولا۔

"ہائیں۔ تو کیا مدت پہلے ملاقات ہو چکی ہے۔"

"جی۔ وہ۔ میرا مطلب ہے۔ انکل خان رحمان اور سب لوگ تھوڑی دیر تک ہمارے ہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"بہت اچھی بات ہے۔ سن کر خوشی ہوئی۔"

"صرف خوشی سے کام نہیں چلے گا انکل۔ آپ اور شائستہ کو بھی آنا ہوگا۔"

"لل۔ لیکن کیوں؟"

"ساحلِ سمندر کا پروگرام ہے انکل۔"

"اوہ۔ ساحلِ سمندر۔ لیکن بھئی۔ آج کل تو سمندر بہت بپھرا ہوا ہے۔" انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا ہوا انکل۔ انکل خان رحمان بھی تو آرہے ہیں۔"

"ہوں۔ تب تو آنا ہی پڑے گا۔ اچھا۔"

"بہت بہت شکریہ انکل۔" فاروق نے کہا اور فاتحانہ انداز میں ان کی طرف مڑا:

"ہاں تو۔ تم کیا کہ رہے تھے۔ خام خیالی ہے میری۔"

"ہاں! یہ ضروری نہیں کہ ساحلِ سمندر پر مزا ضرور آئے، ہو سکتا ہے۔ مزا وہاں دور دور تک ڈھونڈے سے نہ ملے۔"

فرزانہ نے کہا۔

"کیا کہ رہی ہو؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"اس سے پہلے بھی تو یہی ہوتا رہا ہے۔"

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ اچھل پڑے۔

"لو ابا جان بھی آ گئے۔"

"اور ابھی انھیں بھی ساحل سمندر کی خبر سنانا ہے، پھر اجازت لینی ہے۔ اور ممکن ہوا تو انھیں بھی ساتھ لینا ہے۔"

"اور میں کہاں گئی۔" بیگم جمشید باورچی خانے سے نکلتے ہوئے بولیں۔

"اوہ ہاں امی جان۔ آپ بھی ضرور ساتھ چلیے گا۔"

اسی وقت دوسری بار گھنٹی بجی۔ محمود گھبرا کر دروازے کی طرف دوڑا اور دروازہ کھول دیا۔

"کیا سو رہے تھے؟" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"ج۔ جی نہیں تو۔ ابا جان۔ یہ سونے کا وقت کہاں۔"

"تب پھر دروازہ کھولنے میں دیر کیوں لگائی؟"

"جی۔ وہ۔ کیا بتاؤں۔ دیر لگ گئی ہے بس۔"

وہ صحن تک آئے ہی تھے کہ دروازے کی گھنٹی بج اٹھی، انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا:

"ارے۔ یہ تو خان رحمان معلوم ہوتے ہیں۔ محمود ــ

جلدی دروازہ کھول دو۔"

محمود دروازے کی طرف گیا اور دروازہ کھول دیا۔ خان رحمان اور گھر کے باقی افراد اندر داخل ہوتے ہی ایک ساتھ بولے:

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔" وہ بھی ایک ساتھ بولے۔

"ہائیں خان رحمان۔ خیر تو ہے۔ تم تو مع لاؤ لشکر کے چلے آ رہے ہو۔ بیگم۔ تمھاری چائے کم پڑ جائے گی۔"

"فکر نہ کریں۔ میں پانی پہلے ہی رکھ چکی ہوں۔"

"پہلے ہی رکھ چکی ہو۔ لیکن کیوں۔ خان رحمان تو ابھی آئے ہیں۔"

"جی۔ وہ۔" وہ ہکلا کر رہ گئیں۔ اسی وقت فاروق بول اٹھا:

"بات یہ ہے ابا جان کہ آج۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں ہاں۔ کہو۔"

"جی وہ۔ آج ہم نے۔ مل کر۔"

عین اسی وقت ایک بار پھر گھنٹی بج اٹھی۔ انسپکٹر جمشید چونک اٹھے:

"اوہ۔ اوہ۔ پروفیسر صاحب بھی آ گئے ہیں۔ تب ضرور تم نے کوئی پروگرام بنایا ہے۔ کیوں۔ ٹھیک ہے نا۔"

"جی۔ جی۔ ہاں۔" فاروق نے کہا، ادھر محمود دروازے ک
طرف گیا۔ دوسرے ہی لمحے پروفیسر داؤد اور شائستہ اندر آ
نظر آئے:

"بہت خوب۔ تو تم پہنچ گئے خان رحمان۔"

"کیا کرتا۔ مجبوری تھی۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

"کیسی مجبوری۔ کچھ مجھے بھی تو بتائیں۔ یہ تو میں انداز
لگا چکا ہوں کہ پروگرام ان تینوں میں سے کسی ایک نے ب
ہے، لیکن پروگرام ہے کیا۔"

"ساحلِ سمندر پر جائیں گے ابا جان۔"

"اور وہاں جا کر کیا کریں گے۔"

"جی بس۔ موسم سہانا ہے۔ ایسے میں ساحل پر بہت لط
آتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ہوں۔ خیر۔ چلے چلتے ہیں، لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"جی فرمائیے۔ ہم تو آپ کی ہر شرط ماننے پر تیار ہیں۔"
فاروق بولا۔

"اور تم کر بھی کیا سکتے ہو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تم چپ رہو۔ پروگرام میں ٹانگ نہ اڑاؤ۔"

"نہیں بھئی۔ فکر نہ کرو۔ اب یہ پروگرام میں ٹانگ نہیں
اڑا سکے گا۔" خان رحمان بولے۔

"شرط یہ ہے کہ گھر سے کچھ نہیں لے کر جائیں گے۔ وہاں
جا کر مچھلیاں پکڑیں گے۔ اور وہیں انھیں تیار کر کے کھائیں گے۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان۔ اس طرح تو پروگرام لمبا ہو جائے گا۔"
فرزانہ نے کہا۔

"تو کیا ہوا۔ رات وہیں گزار لیں گے۔ رات بھی چاندنی
ہو گی آج۔ ساحلِ سمندر کا مزا تو اصل میں رات کو آتا ہے۔"
انھوں نے کہا۔

"اوہ۔ اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"میرا خیال ہے۔ پروگرام اب کچھ زیادہ ہی رنگین ہو گیا ہے،
اب کیا کہتے ہو محمود۔ فرزانہ۔ اب بھی مزا آئے گا یا نہیں؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہمارے ساتھ ایک دم چھلا بھی تو لگا
ہوا ہے نا۔" فرزانہ بولی۔

"دم چھلا۔ کون سا دم چھلا۔ کہاں ہے دم چھلا۔ مجھے دکھاؤ۔
میں اس کی ایسی کی تیسی کیے دیتا ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"آپ سمجھے نہیں انکل۔ جب بھی ہم کوئی پروگرام بنا کر نکلتے
ہیں۔ کوئی چکر ضرور چل جاتا ہے۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہے بھئی۔ لیکن ہم اس کا کیا انتظام
کر سکتے ہیں۔ چکر کو چلنے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔" پروفیسر

داؤد گھبرا کر بولے۔

"جی ہاں! یہی تو مشکل ہے۔ ہم اس کا کوئی بھی انتظام نہیں کر سکے۔"

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔ اگر کسی چکر سے واسطہ پڑ گیا تو اس سے بھی نبٹ لیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

آدھ گھنٹے بعد وہ سب روانہ ہو چکے تھے۔ آج تو بیگم جمشید بھی ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ انسپکٹر جمشید نے فون کر کے ایک لانچ اور مچھلیاں پکڑنے کے ایک جال کا انتظام بھی کرا لیا تھا۔

جب وہ ساحل پر پہنچے۔ چھ بج رہے تھے۔ ہوا بہت خوش گوار تھی اور لانچ ساحل پر موجود تھی، لیکن لانچ اور جال پہنچانے والا وہاں موجود نہیں تھا۔ انسپکٹر جمشید نے لانچ کا سٹیرنگ سنبھالا اور خان رحمان نے جال۔ باقی لوگ لانچ میں سوار ہو گئے اور ان کا سفر سمندر میں شروع ہوا۔ تین کلومیٹر سمندر میں پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے لانچ روک دی اور خان رحمان نے جال پھینکا۔

"دیکھو بھئی۔ وار خالی نہ جائے۔ کچھ بڑی مچھلیاں ہاتھ لگیں تو مزا آ جائے گا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"جال پھینکنا میرا کام ہے اور اس میں مچھلیاں پھانسنا اللہ کا کام۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! بات یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"لیکن ہم دُعا تو کر سکتے ہیں۔"

"بالکل کر سکتے ہیں۔ یا اللہ! جال میں اچھی اچھی۔ موٹی تازی، بڑی بڑی۔ خوب صورت خوب صورت مچھلیاں پھنسا دے۔" فارُوق نے جلدی جلدی کہا۔

"خوب صورت والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔" حامد نے منہ بنایا۔

"اگر تم بد صورت مچھلیاں کھانا چاہتے ہو تو بد صورت کی دُعا مانگنا شروع کر دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فارُوق نے کہا۔

"واہ۔ کتنا پیارا جواب ہے۔" شائستہ بولی۔

"پکنے کے بعد نہ خوب صورتی رہ جائے گی، نہ بد صورتی۔" سرور نے منہ بنایا۔

"میرے خیال میں اتنی دُعا کافی ہے۔ یا اللہ! ہمیں بہت ساری اور بڑی مچھلیاں عطا فرما۔" ناز نے کہا۔

"وُہ تو ٹھیک ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آج صبح سے فارُوق کے سر پر ساحل سمندر سوار تھا۔" محمود نے

کہا۔

"کیا مطلب؟" کئی آوازیں اُبھریں۔

"بس۔ صبح سے ایک ہی رٹ لگائی جا رہی تھی۔ کیوں نہ آج ساحلِ سمندر چلیں۔ ساحلِ سمندر چلیں اور آخر یہ حضرت آ کر رہے۔ نہ صرف آ کر رہے۔ بلکہ دُوسروں کو بھی ساتھ لا کر رہے۔" فرزانہ بولی۔

"اگر تمھیں یہاں آنے پر کوئی اعتراض ہے تو تم واپس چلی جاؤ۔"

"بھئی میرا خیال ہے۔۔ اس قسم کے پروگرام کبھی کبھار بن جانے چاہییں۔ ورنہ زندگی میں حد درجے یکسانیت آ جاتی ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہائیں۔ یہ جال تو مجھ سے کھنچ ہی نہیں رہا۔" انھوں نے خان رحمان کی آواز سُنی۔

"ج۔ جی۔ کیا مطلب۔ کیا جال میں کچھ مچھلیاں پھنس چکی ہیں۔" فاروق نے پُر جوش انداز میں کہا۔

"ہاں! بلکہ میرا تو خیال ہے۔ جال میں کوئی بڑی مچھلی پھنس گئی ہے۔"

"اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے۔ کیا ہم بھی زور لگائیں۔"

"نہیں! اب میں اسے کھینچنے کے قابل ہو گیا ہوں۔"

ان کی نظریں جال کی رسی پر جم گئیں۔ اور پھر جال نظر آنے لگا۔ یہاں تک کہ جال لانچ کے قریب آ گیا۔ اس میں چھوٹی بڑی مچھلیاں پھدک رہی تھیں۔ ان کو دیکھ کر وہ خوشی سے کِھل اُٹھے، لیکن پھر اچانک فرزانہ کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

بیگم ساجد

"خیر تو ہے فرزانہ؟" انسپکٹر جمشید گھبرا کر بولے

"وہ - وہ دیکھیے ابا جان - مچھلیوں کے درمیان۔"

"مچھلیوں کے درمیان -" انھوں نے کہا اور پھر جال کی مچھلیوں کے درمیان دیکھا۔

وہ بہت تیزی سے اچھل کود مچا رہی تھیں اور پانی کے چھینٹے تیزی سے اڑ رہے تھے - اس لیے دوسروں کو وہ چیز نظر نہ آ سکی تھی - جس کی طرف فرزانہ نے اشارہ کیا - اب انھوں نے دیکھا - جال میں ایک انسانی ڈھانچہ بھی موجود تھا -

"اُف اللہ - یہ تو انسانی ڈھانچہ ہے۔" خان رحمان بولے۔

"اس لیے تو میں چیخی تھی۔" فرزانہ نے کہا۔

"ارے باپ رے - مچھلیوں نے اسے جگہ جگہ سے کھا لیا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"بے چارہ سمندر میں ڈوب گیا ہوگا۔"

"ل - لیکن۔" انسپکٹر جمشید ہکلائے۔

"ل - لیکن کیا ابا جان؟"

"ان دنوں کسی آدمی کے سمندر میں ڈوبنے کی کوئی خبر نہیں پڑھی۔"

"ہو سکتا ہے - اس کے ڈوبنے کی اطلاع کسی کو نہ ملی ہو۔"

"تب پھر اس کے گھر والوں کو اس کی گم شدگی۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے - ان کے چہرے پر الجھن کے آثار دوڑ گئے۔

"خیر تو ہے ابا جان؟"

"ایک شخص کی گم شدگی کی رپورٹ درج کرائی گئی تھی - اور میں اس کا نام بھی جانتا ہوں - اگر یہ وہی ہے تو۔" وہ کہتے کہتے رک گئے -

اس وقت تک خان رحمان جال کو لانچ پر کھینچ چکے تھے -

"پہلے تو ساحل پر چلتے ہیں۔"

انھوں نے لانچ کو ساحل کی طرف موڑ دیا - ساحل پر پہنچ کر وہ نزدیکی ہٹ میں آئے اور جال کو پھیلا دیا گیا - مچھلیاں تڑپ کر اِدھر اُدھر ہونے لگیں - اور ان کی آنکھیں لاش پر جم گئیں -

"اس کی شناخت بہت مشکل ہو چکی ہے۔ جگہ جگہ سے
مچھلیاں کھا چکی ہیں۔ جسم پر کپڑے نام کی کوئی چیز بھی
نہیں بچی۔ اس کے باوجود۔ میرا ذہن یہ کہہ رہا ہے کہ یہ انسپکٹر
ساجد کی لاش ہے۔"

"جی۔ انسپکٹر ساجد۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! تین دن پہلے اس کی گم شدگی کی رپورٹ لکھوائی
گئی تھی۔ اور۔ اور اس کی گم شدگی کا معاملہ بھی عجیب و غریب
ہے۔ ٹھہرو۔ پہلے مجھے فون کرنا چاہیے۔"

انھوں نے کہا اور کار کی طرف بڑھ گئے۔ محمود، فاروق اور
فرزانہ بھی ان کے ساتھ قدم اٹھانے لگے:

"ہم آپ کو فکر مند محسوس کر رہے ہیں ابا جان۔"

"ہاں بھئی۔ انسپکٹر ساجد کی گم شدگی کا معاملہ بہت اُلجھا
ہوا ہے۔" یہ کہہ کر وہ فون پر نمبر گھمانے لگے، پھر سلسلہ
ملنے پر بولے:

"ہیلو اکرام۔ میں شوبرا ساحل سے بول رہا ہوں۔ سمندر
سے ہمیں ایک انسانی ڈھانچہ ملا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ڈھانچہ
انسپکٹر ساجد کا ہے۔ تم فوری طور پر یہاں پہنچ جاؤ اور نمبر
سات کو بھی لیتے آنا۔"

"جی بہتر۔" دوسری طرف سے اکرام نے کہا۔ اور انھوں نے

"وہ الماری کا بھی صفایا کر گیا۔ افسوس۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آج کی شکست یاد رہے گی۔" فاروق بڑبڑایا۔

"کوئی بات نہیں۔ فتح اور شکست تو ہوتی ہی رہتی ہے۔
مجھے افسوس اس چیز کا ہے۔ جو وہ اس الماری سے نکال لے
گیا۔ شاید اس کے ذریعے سے ہم بہت کچھ جان سکتے تھے۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"آخر آپ کو اس پر شک کس طرح ہوا تھا۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! اب کیس کا اس پہلو سے جائزہ لینا ہوگا۔ اکرام تم
اپنا کام شروع کر دو۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور کمرۂ واردات کی طرف مڑ
گیا۔

"آؤ بھئی۔ بیٹھ کر بات کریں گے۔"

ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"آج سے چار ماہ پہلے زندگی میں پہلی مرتبہ میری ملاقات
انسپکٹر ساجد سے ہوئی۔ ایک سرکاری آفیسر کے گھر ایک سرکاری
پارٹی تھی۔ اس پارٹی کے حفاظتی انتظامات انسپکٹر ساجد کے ذمے
تھے۔ پارٹی کی کارروائی کو بالکل خفیہ رکھنے کا اعلان پہلے ہی
کر دیا گیا تھا اور انسپکٹر ساجد کے ذمے یہی کام تھا کہ خبر
باہر نہ جا سکے، لیکن خبر باہر جا کر رہی۔ انسپکٹر ساجد سے

جواب طلبی کی گئی تو اس نے سوائے حیرت ظاہر کرنے کے اور
کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد پھر ایک ایسا ہی موقع آیا۔
بات پھر باہر نکل گئی۔ اس جگہ کا انتظام بھی انسپکٹر ساجد
کے ذمے تھا۔ میں اس کی طرف سے شک میں مبتلا ہو گیا۔
اب میں نے خود ایک فرضی تقریب کا اہتمام کیا۔ اور اس
کا انتظام بھی انسپکٹر ساجد کو سونپا گیا۔ اس مرتبہ میں نے خود
پوری توجہ دی اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ بات کس ذریعے
سے باہر جاتی ہے۔ تو سوائے انسپکٹر ساجد کے کوئی ایسا آدمی
نظر نہ آیا۔ جو بات کو باہر لے جا سکتا تھا۔ اس روز سے
میں نے اس کی باقاعدہ نگرانی شروع کرا دی۔ اس نگرانی کی
رپورٹیں بھی اس کے خلاف تھیں۔ میں ابھی کوئی فیصلہ کُن
اقدام نہیں کر سکا تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا۔ یہ ہے کُل کہانی۔"

"کہانی واقعی سنسنی خیز ہے۔ اور اسے مزید سنسنی خیز بنا دیا ہے
بیگم ساجد کے قتل نے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ سنسنی پیدا کر دی ہے اس
چھلاوے نے۔" فرزانہ بولی۔

"گویا اس مرتبہ ہمارا مقابلہ بہت زیادہ خطرناک لوگوں سے
ہے۔"

"لوگوں سے نہیں۔ بلکہ پورے ایک گروہ سے۔" انسپکٹر جمشید

بولے۔

"اور۔ اور وہ گروہ کرتا کیا ہے۔ یا چاہتا کیا ہے؟"

"یہ اندازہ تو لگ چکا ہے۔ وہ ہماری سرکاری اطلاعات
حاصل کرتا رہتا ہے، اس کام کے لیے اس نے ملک میں انسپکٹر
ساجد جیسے لوگ خرید رکھے ہیں۔"

"اوہ! آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"لہٰذا میں ان لوگوں کو بھی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دینا چاہتا
ہوں جو اس گروہ کے ہاتھ بِکے ہوئے ہیں۔"

"واقعی! یہ بہت ضروری ہے، کیوں کہ ان لوگوں کی وجہ
سے ملک کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے نظریں اٹھائیں
تو اکرام چلا آ رہا تھا۔

"سر! ایک کلب کا کارڈ ہاتھ لگا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا
ہے، انسپکٹر ساجد اس کلب کا باقاعدہ ممبر تھا۔"

"ہوں! لاؤ دیکھیں۔" وہ بولے۔ اور کارڈ ہاتھ میں لے
کر پڑھا:

"تھری سٹار کلب۔ نیو البرٹ روڈ۔ اوہ۔"

"ابا جان۔ کیا یہ اوہ بھی کارڈ پر لکھا ہے؟" فاروق نے
حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں بھئی۔ یہ میرے منہ سے حیرت کی وجہ سے نکلا ہے۔"

"اور اس کی کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی۔"

"ہاں! اس کلب کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ سُننے میں آیا ہے کہ یہاں عام طور پر غلط لوگ جمع ہوتے ہیں۔"

"اگر یہ بات سننے میں آئی تھی تو پھر اسے چیک کیوں نہیں کیا گیا؟"

"متعلقہ لوگوں نے اسے کئی مرتبہ چیک کیا ہے، لیکن کوئی غلط بات نہ پا سکے۔ اور یہی خیال کیا گیا کہ کاروباری رنجش کی بنا پر اس قسم کی خبریں اڑا ہی دی جاتی ہیں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے، لیکن انسپکٹر ساجد اس کلب کا ممبر کیوں تھا؟"

"اسی بات پر میں نے اوہ کہا تھا۔" وُہ مسکرائے۔

"گویا اب ہمیں کلب پہنچنے کی تیاری کر لینی چاہیے۔" محمود کا لہجہ پُرجوش ہو گیا۔

"ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن ہم میک اَپ میں جائیں گے۔" وُہ بولے۔

میک اپ کرنے کے بعد وُہ کلب کی طرف روانہ ہو گئے۔ کلب کی لائٹیں انھیں دُور سے ہی نظر آ گئیں۔ عمارت بہت بلند تھی۔ انھوں نے کار کھڑی کی اور دروازے پر پہنچ

گئے۔ یہاں دو باوردی نگران کھڑے نظر آئے:

"کارڈ پلیز۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے فوراً کلب کا کارڈ آگے کر دیا۔ نگران باادب انداز میں جھک گیا۔

اور وُہ اندر داخل ہو گئے۔

"میرا تو خیال تھا۔ داخلے کے سلسلے میں مشکل پیش آئے گی۔" فارُوق بڑبڑایا۔

"تو پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" فارُوق نے فوراً کہا۔

"جی۔ کیا کہا۔" پاس سے گزرتے ہوئے ایک بیرے نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"آپ سے نہیں کہا۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔ اور ہال کی ایک میز کی طرف بڑھ گئے۔ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ فوراً ایک دُوسرا بیرا ان کی طرف بڑھا:

"آپ بھول رہے ہیں سر۔ یہ میز آپ کی نہیں۔"

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ مجھے دھیان نہیں رہا۔" یہ کہہ کر انھوں نے مٹھی میں دبائے ہوئے کارڈ پر نظر ڈالی۔ اب انھوں نے دیکھا، اس کے ایک سرے پر نمبر انیس درج تھا۔ انھوں

نے میزوں پر نظر دوڑائی تو ہر میز پر نمبر نمایاں لکھا نظر آیا۔ دُوسرے ہی لمحے وُہ انیس نمبر میز کی طرف بڑھے۔ ابھی وُہ اس میز کے نزدیک پہنچے ہی تھے کہ ایک اور بیرا ان کی طرف لپکا:

"آپ کا نمبر کیا ہے جناب؟"

"انیس۔"

"جی۔ انیس۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" بیرا بوکھلا گیا۔

"کیوں! ہو کیوں نہیں سکتا۔"

"یہ میز جن کے لیے مخصوص ہے۔ وُہ تو چند منٹ پہلے تشریف لا چکے ہیں اور باتھ روم تک گئے ہیں۔"

"یہ دیکھیے۔ یہ کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بجھا کر بولے اور کارڈ اس کے سامنے کر دیا۔

بیرے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"اُف۔ یہ۔ یہ کیا۔"

"خیر تو ہے۔ آپ تو بہت پریشان ہو گئے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہمارے کلب میں آج تک ایسی کوئی بد نظمی نہیں ہوئی۔" بیرا بولا۔

"کیسی؟"

"دو ممبروں کو ایک ہی نمبر کا کارڈ جاری نہیں ہوا۔"

"گویا ان صاحب کے پاس بھی انیس نمبر کارڈ موجود ہے۔" محمود بولا۔

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔ اور یہی میرے لیے پریشانی کی بات ہے۔ لیجیے۔ وُہ بھی آ گئے۔ اب۔ اب کیا ہو گا۔" بیرے نے کہا۔

ان کی نظریں اس سمت میں اُٹھ گئیں۔ جس سمت میں بیرا دیکھ رہا تھا، لیکن بیروں کی آمد و رفت اور کئی لوگوں کے سامنے سے آنے کی وجہ سے وُہ نہ جان سکے کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔

"یہ کارڈ تو منتقل ہوتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جی ہاں! منتقل تو واقعی ہوتے ہیں۔"

"تب پھر یہ کیسے ممکن ہے۔ ایک کارڈ جاری ہونے کے بعد اسی نمبر کا دُوسرا کارڈ جاری کر دیا جائے۔"

"اس کی صرف اور صرف ایک صورت ہے۔" بیرے نے کہا۔

"اور وُہ کیا؟"

"یہ کہ ممبر فوت ہو جائے یا وُہ اپنی رُکنیت کینسل کرا دے۔ کینسل کرانے کی صورت میں اسے کارڈ بھی جمع کرانا پڑتا ہے۔"

"ہوں! لیکن آپ دیکھ ہی سکتے ہیں۔ بلکہ ہمیں چھو کر اندازہ

بھی لگا سکتے ہیں کہ ہم زندہ سلامت آپ کے سامنے کھڑے ہیں اور کارڈ بھی ہمارے پاس موجود ہے۔"

"اس بات پر تو میں حیران ہوں۔"

"کیا بات ہے بھئی۔" ایک بھاری بھرکم آواز نے انھیں چونکا دیا۔

انھوں نے دیکھا۔ لمبے قد کا ایک آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔

فرزانہ کا کام

"معاف کیجیے گا سر۔ آپ کے پاس کارڈ نمبر انیس ہی ہے نا؟" بیرے نے اس سے پوچھا۔

"ہاں بالکل۔ بات کیا ہے؟"

"ان کے پاس بھی انیس نمبر کارڈ موجود ہے۔"

"کیا مطلب۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر۔ کارڈ جاری کرنے والے شخص کو بلاؤ۔" وہ صاحب بھنّا کر بولے۔

"ہاں بالکل۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میں ابھی آیا۔ آپ لوگ تشریف رکھیے۔" بیرے نے جلدی جلدی کہا اور اندر کی طرف لپکا۔

"آپ لوگ تشریف رکھیے۔ یہ ہمارا نہیں ان کا قصور ہے،

ہم کیوں سزا بھگتیں:" اس شخص نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

میز کے گرد چھ کرسیاں تھیں۔ وہ بھی بیٹھ گئے۔

"آپ کی تعریف؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں خالد جیلانی ہوں۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"آپ کو میرا نام سن کر شاید حیرت ہوئی ہے۔ گویا آپ میرے نام سے واقف ہیں۔"

"جی ہاں! آپ محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر ہیں نا۔"

"بالکل! آپ کی معلومات قابلِ تعریف ہیں۔" اس نے کہا۔

"شکریہ! معلوم ہوتا ہے، آپ ابھی حال ہی میں کلب کے ممبر بنے ہیں۔"

"جی ہاں! بس صرف تین دن پہلے بنا ہوں۔"

"کیا کسی دوست نے مشورہ دیا تھا؟" انھوں نے پوچھا۔

"ہاں بالکل! آپ کا یہ اندازہ بھی ٹھیک ہے۔ ارے میں نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں۔"

"مجھے جمشید احمد کہتے ہیں۔"

"اور یہ آپ کے بچے ہیں؟"

"جی ہاں!"

"مجھے حیرت ہے۔ آپ ایسی جگہوں پر اپنے بچوں کو بھی

لے جاتے ہیں۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ جگہ اچھی نہیں ہے۔"

"میں کہوں یا نہ کہوں۔ یہ جگہ اچھی ہے نہیں۔"

"تب پھر آپ نے آنا کیسے گوارا کر لیا؟" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"میں بچوں کی بات کر رہا ہوں۔ بڑوں کے لیے تو یہ تفریح کی جگہ ہے۔ ابھی یہاں ڈانس شروع ہو گا۔ تو کیا آپ ان کے ساتھ ڈانس دیکھ سکیں گے۔"

"جی نہیں۔ ہم ڈانس سے پہلے ہی اٹھ جائیں گے۔"

"پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کو غلط کارڈ کس طرح جاری کر دیا گیا۔"

"ہمیں نہیں جیلانی صاحب۔ آپ کو۔ میرے پاس جو کارڈ ہے۔ وہ پہلے جاری کیا گیا تھا۔ آپ کو آج سے صرف تین دن پہلے جاری کیا گیا۔ لہٰذا آپ کا کارڈ غلط ہو سکتا ہے، میرا نہیں۔"

"اوہ ہاں۔ اگر آپ کا کارڈ پہلے کا ہے۔ تب میرا کارڈ غلط ہو گا۔"

"متعلقہ آدمی کے آنے پر ہی معلوم ہو گا۔"

اسی وقت بیرا آتا دکھائی دیا، لیکن اس کے ساتھ کوئی بھی

نہیں تھا:

"آپ متعلقہ آدمی کو لے کر نہیں آئے۔" خالد جیلانی نے پریشان ہو کر کہا۔

"جی نہیں۔ منیجر صاحب ان لوگوں کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔"

"ہم کیوں جائیں ان کے کمرے میں۔ کیا ہم ان کے ملازم ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"یہاں بات چیت کرنے کی صورت میں دوسرے لوگ بھی متوجہ ہوں گے اور کلب کی بدنامی ہوگی۔ اس لیے انھوں نے یہی مناسب خیال کیا کہ آپ سے، اندر بات کی جائے۔"

"لیکن صرف مجھ سے کیوں۔ انھیں بھی تو ساتھ چلنا چاہیے۔" انھوں نے خالد جیلانی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں بالکل! میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔" وہ بولے۔

"تو پھر آئیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"نہیں جناب۔ اندر آپ کی ضرورت نہیں۔" بیرا جلدی سے بولا۔

"کیوں نہیں۔ میں سمجھتا ہوں، ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بالکل بالکل۔ چلیے جناب۔ ہمیں منیجر صاحب کے کمرے

تک لے چلیے، لیکن ایسا نہ ہو کہ ہم اندر ہی رہ جائیں اور ادھر ڈانس شروع ہو جائے۔" خالد جیلانی نے کہا۔

وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بیرے نے بے بسی کے عالم میں ان پر ایک نظر ڈالی اور پھر بولا:

"اچھا خیر۔ آئیے۔"

وہ اس کے پیچھے چلتے، برامدے طے کرتے ایک کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ بند تھا۔ بیرے نے دستک دی، اندر سے آواز آئی:

"کون۔ نمبر انیس؟"

"یس سر۔"

"چلے آئیے۔"

وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئے۔ دوسرے ہی لمحے اندر موجود شخص نے غصے کے عالم میں کہا۔

"عجیب احمق ہو۔ تم نے خالد جیلانی صاحب کو کیوں تکلیف دی۔"

"میں نے تو انھیں روکا تھا سر۔ یہ خود آئے ہیں۔" بیرے نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ میں خود آیا ہوں۔ بیرے کا کوئی قصور نہیں۔"

"لیکن جناب! یہاں آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ بات ان حضرات سے کرنی ہے۔"

"لیکن کیوں۔ ان کا تو کہنا ہے کہ انہیں کارڈ پہلے کا جاری کیا ہوا ہے، اس لحاظ سے تو زیادتی ان کے ساتھ ہوئی ہے۔"

"اسی لیے تو میں ان سے بات کر رہا ہوں۔" منیجر نے کہا۔

اس دوران وُہ اس کا جائزہ لے چکے تھے۔ اس کا قد لمبا تھا، جسم دبلا پتلا، آنکھیں سیاہ جن میں تیز چمک تھی۔ چہرہ لمبوترا۔ ناک پتلی۔ ٹھوڑی میں گڑھا۔ دُبلا پتلا ہونے کے باوجود اس کے ہاتھ بہت مضبوط نظر آئے تھے۔

"بہتر! میں کسی میز پر بیٹھوں۔" خالد جیلانی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اسی پر۔ ان لوگوں سے بات کرنے کے بعد اگر میز تبدیل کرنا پڑی تو آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ مَیں چلتا ہوں۔ اجازت ہے نا جناب۔" بعد والا جملہ انھوں نے انسپکٹر جمشید سے کہا۔

"جی ہاں! آپ کا تو کوئی قصور نہیں۔ آپ کیوں پریشانی اٹھائیں۔" وُہ بولے۔

"شکریہ۔" انھوں نے کہا اور کمرے سے نکل گئے۔

"تم بھی جاؤ۔" منیجر نے بیرے سے کہا۔

بیرا بھی چلا گیا۔ دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

"آپ کی تعریف۔" منیجر نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"میرا نام جمشید احمد ہے۔"

"یہ کارڈ آپ کو کہاں سے ملا؟"

"کیا آپ ہر ممبر سے یہ سوال کرتے ہیں۔" انھوں نے بھنّا کر کہا۔

"جی نہیں۔ آج تک کسی سے بھی نہیں کیا۔ پہلی بار کرنا پڑ رہا ہے یہ سوال۔"

"وجہ؟"

"اس لیے کہ جس آدمی کا یہ کارڈ ہے۔ وُہ مر چکا ہے۔" منیجر بولا۔

"آپ یہ بات کس طرح کہُ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"کیوں۔ کیا بات ہے۔ کہ کیوں نہیں سکتا۔"

"ذرا ان صاحب کا نام تو بتائیے۔ جن کا یہ کارڈ ہے۔"

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"انسپکٹر ساجد۔"

"اور آپ یہ کس طرح کہُ سکتے ہیں کہ وُہ مر چکے ہیں۔ میں نے تو اس نام کے آدمی کی موت کی کوئی خبر نہیں پڑھی۔"

نہ تھی۔ بلکہ ان کی تو گم شدگی کی رپورٹ درج کرائی گئی ہے۔"

منیجر چکرا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر تلملاہٹ کے آثار نمودار ہو گئے:

"آپ۔ آپ آخر کون ہیں؟"

"میں اپنا نام بتا چکا ہوں۔"

"آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ یہ کارڈ آپ کو کہاں سے ملا ہے۔" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"اور آپ نے بھی اب تک یہ نہیں بتایا کہ انسپکٹر ساجد کی موت کا آپ کو کیسے علم ہے۔"

"میری سمجھ میں آپ نہیں آئے۔" وہ جھلا اٹھا۔

"اور میری سمجھ میں آپ نہیں آئے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

"آپ نے۔ آپ نے اپنا کیا نام بتایا؟"

"جمشید احمد۔" وہ بولے۔

"اوہ۔ اوہ۔" وہ گھبرا گیا۔

"کیا ہوا۔ خیر تو ہے۔ نام تو میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا، اب سن کر آپ کیوں گھبرا گئے؟"

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" منیجر نے کہا۔

"وہ الماری کا بھی صفایا کر گیا۔ افسوس۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آج کی شکست یاد رہے گی۔" فاروق بڑبڑایا۔

"کوئی بات نہیں۔ فتح اور شکست تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ مجھے افسوس اس چیز کا ہے۔ جو وہ اس الماری سے نکال لے گیا۔ شاید اس کے ذریعے سے ہم بہت کچھ جان سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آخر آپ کو اس پر شک کس طرح ہوا تھا۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! اب کیس کا اس پہلو سے جائزہ لینا ہو گا۔ اکرام تم اپنا کام شروع کر دو۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور کمرۂ واردات کی طرف مڑ گیا۔

"آؤ بھئی۔ بیٹھ کر بات کریں گے۔"

ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"آج سے چار ماہ پہلے زندگی میں پہلی مرتبہ میری ملاقات انسپکٹر ساجد سے ہوئی۔ ایک سرکاری آفیسر کے گھر ایک سرکاری پارٹی تھی۔ اس پارٹی کے حفاظتی انتظامات انسپکٹر ساجد کے ذمے تھے۔ پارٹی کی کارروائی کو بالکل خفیہ رکھنے کا اعلان پہلے ہی کر دیا گیا تھا اور انسپکٹر ساجد کے ذمے یہی کام تھا کہ خبر باہر نہ جا سکے، لیکن خبر باہر جا کر رہی۔ انسپکٹر ساجد سے

جواب طلبی کی گئی تو اس نے سوائے حیرت ظاہر کرنے کے اور
کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد پھر ایک ایسا ہی موقع آیا۔
بات پھر باہر نکل گئی۔ اس جگہ کا انتظام بھی انسپکٹر ساجد
کے ذمے تھا۔ میں اس کی طرف سے شک میں مبتلا ہو گیا۔
اب میں نے خود ایک فرضی تقریب کا اہتمام کیا۔ اور اس
کا انتظام بھی انسپکٹر ساجد کو سونپا گیا۔ اس مرتبہ میں نے خود
پوری توجہ دی اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ بات کس ذریعے
سے باہر جاتی ہے۔ تو سوائے انسپکٹر ساجد کے کوئی ایسا آدمی
نظر نہ آیا۔ جو بات کو باہر لے جا سکتا تھا۔ اس روز سے
میں نے اس کی باقاعدہ نگرانی شروع کرا دی۔ اس نگرانی کی
رپورٹیں بھی اس کے خلاف تھیں۔ میں ابھی کوئی فیصلہ کُن
اقدام نہیں کر سکا تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا۔ یہ ہے کُل کہانی۔"

"کہانی واقعی سنسنی خیز ہے۔ اور اسے مزید سنسنی خیز بنا دیا ہے
بیگم ساجد کے قتل نے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ سنسنی پیدا کر دی ہے اس
چھلاوے نے۔" فرزانہ بولی۔

"گویا اس مرتبہ ہمارا مقابلہ بہت زیادہ خطرناک لوگوں سے
ہے۔"

"لوگوں سے نہیں۔ بلکہ پورے ایک گروہ سے۔" انسپکٹر جمشید

بولے۔

"اور۔ اور وہ گروہ کرتا کیا ہے۔ یا چاہتا کیا ہے؟"

"یہ اندازہ تو لگ چکا ہے۔ وہ ہماری سرکاری اطلاعات
حاصل کرتا رہتا ہے، اس کام کے لیے اس نے مُلک میں انسپکٹر
ساجد جیسے لوگ خرید رکھے ہیں۔"

"اوہ! آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"لہٰذا میں ان لوگوں کو بھی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دینا چاہتا
ہوں جو اس گروہ کے ہاتھ پر بکے ہوئے ہیں۔"

"واقعی! یہ بہت ضروری ہے، کیوں کہ ان لوگوں کی وجہ
سے مُلک کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے نظریں اٹھائیں
تو اکرام چلا آ رہا تھا۔

"سر! ایک کلب کا کارڈ ہاتھ لگا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا
ہے، انسپکٹر ساجد اس کلب کا باقاعدہ ممبر تھا۔"

"ہوں! لاؤ دیکھیں۔" وہ بولے۔ اور کارڈ ہاتھ میں لے
کر پڑھا:

"تھری سٹار کلب۔ نیو البرٹ روڈ۔ اوہ۔"

"ابا جان۔ کیا یہ اوہ بھی کارڈ پر لکھا ہے؟" فاروق نے
حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں بھئی - یہ میرے منہ سے حیرت کی وجہ سے نکلا ہے۔"

"اور اس کی کوئی وجہ بھی ضرور ہو گی۔"

"ہاں ! اس کلب کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ سُننے میں آیا ہے کہ یہاں عام طور پر غلط لوگ جمع ہوتے ہیں۔"

"اگر یہ بات سننے میں آئی تھی تو پھر اسے چیک کیوں نہیں کیا گیا؟"

"متعلقہ لوگوں نے اسے کئی مرتبہ چیک کیا ہے، لیکن کوئی غلط بات نہ پا سکے۔ اور یہی خیال کیا گیا کہ کاروباری رنجش کی بنا پر اس قسم کی خبریں اڑا ہی دی جاتی ہیں۔"

"ہوں ! ٹھیک ہے، لیکن انسپکٹر ساجد اس کلب کا ممبر کیوں تھا؟"

"اسی بات پر میں نے اوہ کہا تھا۔" وُہ مسکرائے۔

"گویا اب ہمیں کلب پہنچنے کی تیاری کر لینی چاہیے۔" محمود کا لہجہ پُر جوش ہو گیا۔

"ہاں ! اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن ہم میک اَپ میں جائیں گے۔" وُہ بولے۔

میک اپ کرنے کے بعد وُہ کلب کی طرف روانہ ہو گئے، کلب کی لائٹیں انھیں دُور سے ہی نظر آگئیں۔ عمارت بہت بلند تھی۔ انھوں نے کار کھڑی کی اور دروازے پر پہنچ

گئے۔ یہاں دو باوردی نگران کھڑے نظر آئے:

"کارڈ پلیز۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے فوراً کلب کا کارڈ آگے کر دیا۔ نگران باادب انداز میں جھک گیا۔

اور وُہ اندر داخل ہو گئے۔

"میرا تو خیال تھا۔ داخلے کے سلسلے میں مشکل پیش آئے گی۔" فارُوق بڑبڑایا۔

"تو پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" فارُوق نے فوراً کہا۔

"جی - کیا کہا۔" پاس سے گزرتے ہوئے ایک بیرے نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"آپ سے نہیں کہا۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔ اور ہال کی ایک میز کی طرف بڑھ گئے۔ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ فوراً ایک دُوسرا بیرا ان کی طرف بڑھا:

"آپ بھول رہے ہیں سر۔ یہ میز آپ کی نہیں۔"

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ مجھے دھیان نہیں رہا۔" یہ کہہ کر انھوں نے مٹھی میں دبائے ہوئے کارڈ پر نظر ڈالی۔ اب انھوں نے دیکھا، اس کے ایک سرے پر نمبر انیس درج تھا۔ انھوں

نے میزوں پر نظر دوڑائی تو ہر میز پر نمبر نمایاں لکھا نظر آیا۔ دُوسرے ہی لمحے وُہ انیس نمبر میز کی طرف بڑھے۔ ابھی وُہ اس میز کے نزدیک پہنچے ہی تھے کہ ایک اور بیرا ان کی طرف لپکا:

"آپ کا نمبر کیا ہے جناب؟"

"انیس۔"

"جی - انیس - یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" بیرا بوکھلا گیا۔

"کیوں! ہو کیوں نہیں سکتا؟"

"یہ میز جن کے لیے مخصوص ہے۔ وُہ تو چند منٹ پہلے تشریف لا چکے ہیں اور باتھ روم تک گئے ہیں۔"

"یہ دیکھیے - یہ کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بتا کر بولے اور کارڈ اس کے سامنے کر دیا۔

بیرے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"اُف - یہ - یہ کیا -"

"خیر تو ہے - آپ تو بہت پریشان ہو گئے -" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہمارے کلب میں آج تک ایسی کوئی بدنظمی نہیں ہوئی۔" بیرا بولا۔

"کیسی؟"

"دو ممبروں کو ایک ہی نمبر کا کارڈ جاری نہیں ہوا۔"

"گویا ان صاحب کے پاس بھی انیس نمبر کارڈ موجود ہے۔" محمود بولا۔

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔ اور یہی میرے لیے پریشانی کی بات ہے - لیجیے - وُہ بھی آ گئے - اب - اب کیا ہو گا۔" بیرے نے کہا۔

ان کی نظریں اس سمت میں اٹھ گئیں۔ جس سمت میں بیرا دیکھ رہا تھا، لیکن بیروں کی آمد و رفت اور کئی لوگوں کے سامنے سے آنے کی وجہ سے وُہ نہ جان سکے کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے -

"یہ کارڈ تو مستقل ہوتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جی ہاں! مستقل تو واقعی ہوتے ہیں۔"

"تب پھر یہ کیسے ممکن ہے - ایک کارڈ جاری ہونے کے بعد اسی نمبر کا دُوسرا کارڈ جاری کر دیا جائے۔"

"اس کی صرف اور صرف ایک صورت ہے۔" بیرے نے کہا۔

"اور وُہ کیا؟"

"یہ کہ ممبر فوت ہو جائے یا وُہ اپنی رکنیت کینسل کرا دے - کینسل کرانے کی صورت میں اسے کارڈ بھی جمع کرانا پڑتا ہے۔"

"ہوں! لیکن آپ دیکھ ہی سکتے ہیں - بلکہ ہمیں چھو کر اندازہ

بھی لگا سکتے ہیں کہ ہم زندہ سلامت آپ کے سامنے کھڑے ہیں اور کارڈ بھی ہمارے پاس موجود ہے۔"

"اس بات پر تو میں حیران ہوں۔"

"کیا بات ہے بھئی؟" ایک بھاری بھرکم آواز نے انھیں چونکا دیا۔

انھوں نے دیکھا۔ لمبے قد کا ایک آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔

فرزانہ کا کام

"معاف کیجیے گا سر۔ آپ کے پاس کارڈ نمبر انیس ہی ہے نا؟" بیرے نے اس سے پوچھا۔

"ہاں بالکل۔ بات کیا ہے؟"

"ان کے پاس بھی انیس نمبر کارڈ مَوجُود ہے۔"

"کیا مطلب۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر۔ کارڈ جاری کرنے والے شخص کو بلاؤ۔" وہ صاحب بھنّا کر بولے۔

"ہاں بالکل۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میں ابھی آیا۔ آپ لوگ تشریف رکھیے۔" بیرے نے جلدی جلدی کہا اور اندر کی طرف لپکا۔

"آپ لوگ تشریف رکھیے۔ یہ ہمارا نہیں ان کا قصور ہے،

ہم کیوں سزا بھگتیں۔" اس شخص نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

میز کے گرد چھ کرسیاں تھیں۔ وہ بھی بیٹھ گئے۔

"آپ کی تعریف؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں خالد جیلانی ہوں۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"آپ کو میرا نام سن کر شاید حیرت ہوئی ہے۔ گویا آپ میرے نام سے واقف ہیں۔"

"جی ہاں! آپ محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر ہیں نا۔"

"بالکل! آپ کی معلومات قابلِ تعریف ہیں۔" اس نے کہا۔

"شکریہ! معلوم ہوتا ہے، آپ ابھی حال ہی میں کلب کے ممبر بنے ہیں۔"

"جی ہاں! بس صرف تین دن پہلے بنا ہوں۔"

"کیا کسی دوست نے مشورہ دیا تھا؟" انھوں نے پوچھا۔

"ہاں بالکل! آپ کا یہ اندازہ بھی ٹھیک ہے۔ ارے میں نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں۔"

"مجھے جمشید احمد کہتے ہیں۔"

"اور یہ آپ کے بچے ہیں؟"

"جی ہاں!"

"مجھے حیرت ہے۔ آپ ایسی جگہوں پر اپنے بچوں کو بھی

لے جاتے ہیں۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ جگہ اچھی نہیں ہے۔"

"میں کہوں یا نہ کہوں۔ یہ جگہ اچھی ہے نہیں۔"

"تب پھر آپ نے آنا کیسے گوارا کر لیا؟" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"میں بچوں کی بات کر رہا ہوں۔ بڑوں کے لیے تو یہ تفریح کی جگہ ہے۔ ابھی یہاں ڈانس شروع ہوگا۔ تو کیا آپ ان کے ساتھ ڈانس دیکھ سکیں گے۔"

"جی نہیں۔ ہم ڈانس سے پہلے ہی اُٹھ جائیں گے۔"

"پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کو غلط کارڈ کس طرح جاری کر دیا گیا۔"

"ہمیں نہیں جیلانی صاحب۔ آپ کو۔ میرے پاس جو کارڈ ہے۔ وہ پہلے جاری کیا گیا تھا۔ آپ کو آج سے صرف تین دن پہلے جاری کیا گیا۔ لہٰذا آپ کا کارڈ غلط ہو سکتا ہے، میرا نہیں۔"

"اوہ ہاں۔ اگر آپ کا کارڈ پہلے کا ہے۔ تب میرا کارڈ غلط ہو گا۔"

"متعلقہ آدمی کے آنے پر ہی معلوم ہو گا۔"

اسی وقت بیرا آتا دکھائی دیا، لیکن اس کے ساتھ کوئی بھی

نہیں تھا:

"آپ متعلقہ آدمی کو لے کر نہیں آئے۔" خالد جیلانی نے پریشان ہو کر کہا۔

"جی نہیں۔ منیجر صاحب ان لوگوں کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔"

"ہم کیوں جائیں ان کے کمرے میں۔ کیا ہم ان کے مُلازم ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"یہاں بات چیت کرنے کی صورت میں دُوسرے لوگ بھی متوجہ ہوں گے اور کلب کی بدنامی ہوگی۔ اس لیے انھوں نے یہی مناسب خیال کیا کہ آپ سے اندر بات کی جائے۔"

"لیکن صرف مجھ سے کیوں۔ انھیں بھی تو ساتھ چلنا چاہیے۔" انھوں نے خالد جیلانی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں بالکل! میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔" وُہ بولے۔

"تو پھر آئیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"نہیں جناب۔ اندر آپ کی ضرورت نہیں۔" بیرا جلدی سے بولا۔

"کیوں نہیں۔ میں سمجھتا ہوں، ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بالکل بالکل۔ چلیے جناب۔ ہمیں منیجر صاحب کے کمرے

تک لے چلیے، لیکن ایسا نہ ہو کہ ہم اندر ہی رہ جائیں اور ادھر ڈانس شروع ہو جائے۔" خالد جیلانی نے کہا۔

وُہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بیرے نے بے بسی کے عالم میں ان پر ایک نظر ڈالی اور پھر بولا:

"اچھا خیر۔ آئیے۔"

وُہ اس کے پیچھے چلتے، برامدے طے کرتے ایک کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ بند تھا۔ بیرے نے دستک دی، اندر سے آواز آئی:

"کون۔ نمبر انیس؟"

"یس سر۔"

"چلے آئیے۔"

وُہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئے۔ دُوسرے ہی لمحے اندر موجود شخص نے غصّے کے عالم میں کہا۔

"عجیب احمق ہو۔ تم نے خالد جیلانی صاحب کو کیوں تکلیف دی۔"

"میں نے تو انھیں روکا تھا سر۔ یہ خود آئے ہیں۔" بیرے نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ میں خود آیا ہوں۔ بیرے کا کوئی قصور نہیں۔"

"لیکن جناب! یہاں آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ بات ان حضرات سے کرنی ہے۔"

"لیکن کیوں۔ ان کا تو کہنا ہے کہ انھیں کارڈ پہلے کا جاری کیا ہوا ہے، اس لحاظ سے تو زیادتی ان کے ساتھ ہوئی ہے۔"

"اسی لیے تو میں ان سے بات کر رہا ہوں۔" منیجر نے کہا۔

اس دوران وُہ اس کا جائزہ لے چکے تھے۔ اس کا قد لمبا تھا، جسم دبلا پتلا، آنکھیں سیاہ جن میں تیز چمک تھی۔ چہرہ لمبوترا۔ ناک پتلی۔ ٹھوڑی میں گڑھا۔ دُبلا پتلا ہونے کے باوجود اس کے ہاتھ بہت مضبوط نظر آئے تھے۔

"بہتر! میں کس میز پر بیٹھوں۔" خالد جیلانی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اسی پر۔ ان لوگوں سے بات کرنے کے بعد اگر میز تبدیل کرنا پڑی تو آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ مَیں چلتا ہوں۔ اجازت ہے نا جناب۔" بعد والا جملہ انھوں نے انسپکٹر جمشید سے کہا۔

"جی ہاں! آپ کا تو کوئی قصور نہیں۔ آپ کیوں پریشانی اٹھائیں۔" وُہ بولے۔

"شکریہ۔" انھوں نے کہا اور کمرے سے نکل گئے۔

"تم بھی جاؤ۔" منیجر نے بیرے سے کہا۔

بیرا بھی چلا گیا۔ دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

"آپ کی تعریف۔" منیجر نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"میرا نام جمشید احمد ہے۔"

"یہ کارڈ آپ کو کہاں سے ملا؟"

"کیا آپ ہر ممبر سے یہ سوال کرتے ہیں۔" انھوں نے بھنّا کر کہا۔

"جی نہیں۔ آج تک کسی سے بھی نہیں کیا۔ پہلی بار کرنا پڑ رہا ہے یہ سوال۔"

"وجہ؟"

"اس لیے کہ جس آدمی کا یہ کارڈ ہے۔ وُہ مر چکا ہے۔" منیجر بولا۔

"آپ یہ بات کس طرح کَہ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"کیوں۔ کیا بات ہے۔ کَہ کیوں نہیں سکتا۔"

"ذرا ان صاحب کا نام تو بتائیے۔ جن کا یہ کارڈ ہے۔"

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"انسپکٹر ساجد۔"

"اور آپ یہ کس طرح کَہ سکتے ہیں کہ وُہ مر چکے ہیں۔ میں نے تو اس نام کے آدمی کی موت کی کوئی خبر نہیں پڑھی۔

مُنی۔ بلکہ ان کی تو گم شدگی کی رپورٹ درج کرائی گئی ہے۔"

منیجر چکرا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر تلملاہٹ کے آثار نمودار ہو گئے:

"آپ۔ آپ آخر کون ہیں؟"

"میں اپنا نام بتا چکا ہوں۔"

"آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ یہ کارڈ آپ کو کہاں سے ملا ہے۔" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"اور آپ نے بھی اب تک یہ نہیں بتایا کہ انسپکٹر ساجد کی موت کا آپ کو کیسے علم ہے۔"

"میری سمجھ میں آپ نہیں آئے۔" وہ بھنا اٹھا۔

"اور میری سمجھ میں آپ نہیں آئے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

"آپ نے۔ آپ نے اپنا کیا نام بتایا؟"

"جمشید احمد۔" وہ بولے۔

"اوہ۔ اوہ۔" وہ گھبرا گیا۔

"کیا ہوا۔ خیر تو ہے۔ نام تو میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا، اب سن کر آپ کیوں گھبرا گئے؟"

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" منیجر نے کہا۔

"سب انسپکٹر رحمانی۔"

"اوہ آئیے جناب۔ میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ اور ایک پولیس سب انسپکٹر اندر داخل ہوا:

"کیا معاملہ ہے؟"

"کلب میں کچھ غلط لوگ آگھسے ہیں، انہیں گرفتار کرانا ہے۔"

"ارے! ان کی ایسی کی تیسی۔ ہال میں کہاں بیٹھے ہیں وہ؟"

"ہال میں نہیں۔ یہاں میرے سامنے بیٹھے ہیں۔"

"ارے۔ یہ ہیں۔ اچھا۔ چلو بھئی۔ کھڑے ہو جاؤ۔"

"آپ منیجر صاحب سے ہمارے غلط آدمی ہونے کا ثبوت تو حاصل کر لیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب۔ غلط آدمی ہونے کا ثبوت۔" سب انسپکٹر رحمانی بھونکا۔

"جی ہاں! آخر انہوں نے کس طرح کہہ دیا کہ ہم غلط لوگ ہیں۔"

"ہاں واقعی۔ اعتراض تو معقول ہے۔ منیجر صاحب۔ آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ان کے پاس ایک ایسے آدمی کا کارڈ ہے۔ جو تین دن سے
گم شدہ ہے۔ صاف ظاہر ہے۔ یا تو انھوں نے اسے اغوا
کیا ہے۔ یا پھر جان سے مار ڈالا ہے۔"

"اوہ۔ ارے باپ رے۔ اور اس کا نام کیا ہے؟"

"وہ آپ کے محکمے کا آدمی ہے۔ انسپکٹر ساجد۔"

"ہائیں۔ یہ بات ہے۔ چلو مسٹر۔ میں تو کر دوں گا تم کو
سیدھا۔" اس نے چلا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید گھبرا کر کھڑے ہوگئے:

"چ چ۔ چلیے جناب۔ چلیے۔"

"دیکھا۔ سٹی گم ہو گئی نا۔ منیجر صاحب آپ فکر نہ کریں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ اپنا انعام لے جائیے گا کل کسی
وقت آ کر۔"

"شش۔ شکریہ۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

وہ اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ حیران تھے کہ یہ کیا ہوا۔ ان کے
والد اس طرح اچانک کیوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

ہال سے گزر کر وہ باہر نکلے۔ باہر پولیس کی جیپ کھڑی
تھی۔

"چلو بھئی۔ جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھ جاؤ۔"

"ہماری کار یہاں موجود ہے۔ کیا ہم اس میں نہ چلیں۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہو۔ تو آپ ایک عدد کار کے بھی مالک ہیں۔" سب انسپکٹر
نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! اتفاق ہے۔"

"کار یہیں رہنے دیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔ اور جیپ
میں بیٹھ گئے۔

جیپ ابھی تھوڑی دیر ہی چلی ہو گی کہ انسپکٹر جمشید نے
کہا:

"بس۔ جیپ روک لیں۔"

"جیپ روک لوں۔ لیکن کیوں۔ اب کیا یاد آ گیا ہے؟"
سب انسپکٹر حیران ہو کر بولے۔

"اپنا نام پتا یاد آ گیا۔ میرا نام انسپکٹر جمشید ہے۔"

"یہ ایک ہی رہی۔ معلوم ہوتا ہے۔ دماغ چل گیا ہے
آپ کا۔"

"نہیں انسپکٹر صاحب۔ جیپ روک لیں۔ دماغ شاید بہت
جلد آپ کا چل جائے گا۔ آپ تفتیش کے بغیر لوگوں کو حوالات
میں بند کر دیتے ہیں۔ ذرا پہلے میرا کارڈ دیکھ لیں۔"

ان کے سرد لہجے نے سب انسپکٹر رحمانی کو لرزا دیا۔ اس نے جیپ فوراً روک دی۔ اس وقت تک انسپکٹر جمشید کارڈ نکال چکے تھے۔ رحمانی کا رنگ اڑ گیا:

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا سر۔"

"یہ میرا کارڈ ہے۔ کل آپ کلب جائیں گے اور اپنا انعام حاصل کریں گے۔"

"نن۔ نہیں۔ نہیں، جناب۔ معاف کر دیں۔" سب انسپکٹر رحمانی نے بوکھلا کر کہا۔

"اوہو۔ مسٹر رحمانی۔ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں اس کلب کے بارے میں تفتیش کر رہا ہوں۔ ان لوگوں کو یہی معلوم ہونا چاہیے کہ آپ نے ہمیں حوالات میں بند کر دیا ہے۔ اور اسی لیے اپنا انعام حاصل کرنے آئے ہیں۔"

"آپ۔ آپ سنجیدہ ہیں سر۔"

"ہاں بالکل۔ جو کہا ہے۔ وُہی کرنا ہوگا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پھر مصیبت مول لیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ وُہ انعام کسی غریب کو دے دیں۔"

"جج۔ جی۔ بہتر۔ میں ایسا ہی کروں گا۔"

"بس۔ اب آپ جائیے۔" انھوں نے کہا اور جیپ آگے بڑھ گئی۔

"آخر اس طرح، اُٹھ آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم نہیں سمجھے۔ منیجر کی زبانی بہت کام کی بات معلوم ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کو انسپکٹر ساجد کی موت کا علم ہے۔ گویا عین ممکن ہے۔ قتل انھوں نے ہی کیا ہو۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"وہاں ٹھہرنے کی صورت یہی تھی کہ میں اپنا تعارف کرا دیتا۔ اس طرح ان لوگوں کو بھی یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میں انسپکٹر ساجد کے بارے میں کیا کچھ جان گیا ہوں۔ اس لیے میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ وہاں سے چل دوں۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا ابّا جان۔" فرزانہ نے کہا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" محمود نے پُوچھا۔

"اب ہم ایک اور میک اَپ میں کلب جائیں گے۔"

"لیکن کارڈ کا بندوبست کیسے ہوگا؟"

"اوہ۔ تم فکر نہ کرو۔ میں نے ترکیب سوچ لی ہے، پہلے یہ میک اَپ ختم کر دو۔"

"جی۔ کیا فرمایا آپ نے۔ ترکیب آپ نے سوچ لی ہے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔ کیوں۔ کیا ہوا۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ترکیب سوچنا تو فرزانہ کا کام ہے۔ اب یہ بے چاری کیا کرے گی۔" فاروق بولا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔ اور وہ مسکرا دیے۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید نے ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔

کلب کا مالک

ان کی ٹیکسی ایک شان دار کوٹھی کے سامنے رکی۔ انسپکٹر جمشید کے اشارے پر محمود گھنٹی بجانے کے لیے آگے بڑھا، اس وقت تک وہ دروازے پر لکھی نام کی تختی پڑھ چکے تھے۔

"خالد جیلانی۔ لیکن ابا جان۔ خالد صاحب تو ابھی کلب میں ہوں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ فکر نہ کرو۔" وہ بولے۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر ایک ملازم کی صورت دکھائی دی:

"جی فرمائیے۔"

"خالد جیلانی صاحب سے ملنا ہے، میرا کارڈ ان تک پہنچا دیں۔"

"لیکن جناب۔ وہ گھر میں نہیں ہیں۔"

"تب پھر۔ آپ یہ کارڈ بیگم صاحبہ کو دے دیں۔" انسپکٹر

جمشید بولے۔

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور کارڈ لے کر چلا گیا، جلد ہی
کی واپسی ہوئی۔

"آئیے جناب۔"

ملازم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا۔ جلد ہی
خاتون اندر داخل ہوئیں۔

"آپ کی آمد نے مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے۔ اللہ کرے
آپ خیریت سے آئے ہوں۔"

"جی ہاں! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ہمیں خا
جیلانی صاحب سے ایک ضروری کام ہے۔"

"اور وہ اس وقت تھری سٹار کلب گئے ہوئے ہیں۔ نہ جا
انہیں اس کلب کا ممبر بننے کی کیا سوجھی۔ پہلے وہ اپنا وقت
اِدھر اُدھر گھوم پھر کر گزارتے تھے۔"

"شاید چند روز پہلے ہی ممبر بنے ہیں۔"

"جی ہاں!"

"خیر۔ آپ ایسا کریں کہ تھری سٹار کلب فون کر کے ا
سے بات کریں، ہمارے بارے میں بتائیں اور کہیں کہ گھ
چلے آئیں۔ ہمیں ان سے بہت ضروری کام ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور اُٹھ کر فون کی طرف

چلی گئیں۔

آدھ گھنٹے بعد بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم۔ خیریت تو ہے انسپکٹر صاحب؟"

"جی ہاں۔ تشریف رکھیے۔ میں نے سنا ہے، آپ تھری سٹار
کے ممبر بن گئے ہیں۔"

"جی ہاں! یہ سچ ہے۔ دراصل وہاں انسان کی تفریح اچھی
ہو جاتی ہے۔ میری شامیں اکثر بور گزرتی تھیں۔ ایک دوست نے
مشورہ دیا تو ممبر بن گیا۔"

"اس دوست کا نام بتا سکتے ہیں آپ؟"

"دوست کا نام۔ کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"وجہ میں پھر بتاؤں گا۔ پہلے آپ دوست کا نام بتائیں"

"نام۔ یہ گفتگو کسی پارٹی میں ہوئی تھی۔ کچھ ٹھیک سے
یاد نہیں آ رہا کہ تھری سٹار کلب کا ذکر کس نے کیا تھا۔ بہرحال
میں یاد کرنے کی کوشش کروں گا۔ معاملہ کیا ہے؟"

"آج آپ کلب میں پہلی مرتبہ گئے تھے؟"

"جی نہیں۔ تین روز ہو گئے ہیں جاتے ہوئے۔"

"شکریہ! سنا ہے، وہاں داخلے کے لیے کارڈ کا ہونا ضروری
ہے، اپنے ہر ممبر کو وہ ایک کارڈ دیتے ہیں۔"

"جی ہاں! یہ سچ ہے۔"

"کیا کوئی ممبر اپنا کارڈ اپنے کسی دوست کو وقتی طور پر بھی دے سکتا ہے؟"

"ہاں۔ دے سکتا ہے۔"

"تب پھر۔ ذرا اپنا کارڈ ہمیں دے دیں۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکے۔

"مطلب یہ کہ ہم اس کلب کو اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اور ایسا آپ بلاوجہ تو کر نہیں رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں! میرا خیال ہے کہ وہ کلب اچھی جگہ نہیں ہے۔ اس کے بارے میں میرا ایک اندازہ ہے۔ جس کی تفصیل میں کسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد بتاؤں گا۔"

"لیکن آپ کو اندر داخل ہونے کے لیے کارڈ کی کیا ضرورت۔ آپ تو کسی بھی جگہ بلا روک ٹوک جا سکتے ہیں۔" خالد جیلانی نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ لیکن اس کلب میں ہم لوگ میک اپ میں جائیں گے۔"

"اوہ۔ سمجھا۔ یہ لیجیے کارڈ۔" انھوں نے جیب میں سے کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ ایک دو دن بعد آپ کو آپ کا کارڈ واپس مل جائے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"اور مہربانی فرما کر آپ کسی کو بھی یہ نہیں بتائیں گے کہ میں نے آپ سے یہ کارڈ حاصل کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"آپ اس شخص کا نام بھی یاد کرنے کی کوشش کیجیے گا جس نے آپ کو تھری سٹار کا ممبر بننے کے لیے اُکسایا تھا۔"

"میں ضرور کوشش کروں گا۔ اور اب کلب کا رُخ بھی نہیں کروں گا۔"

"نہیں۔ ابھی آپ ایسا نہیں کریں گے۔ پہلے میں اپنی تحقیقات مکمل کر لوں۔"

"بہت اچھا۔" انھوں نے کہا۔

"آؤ بھئی چلیں۔"

وہ وہاں سے گھر آئے۔ ایک بار پھر میک اپ کیا گیا۔ اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ کلب کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ وہ دولت مندوں کے روپ میں تھے۔ کارڈ دیکھتے ہی نگرانوں نے ادب سے انھیں راستا دے دیا۔ اور وہ اسی میز کی طرف بڑھے جس پر پہلے بیٹھے تھے۔ بیرا فوراً ان کی طرف بڑھا:

"معاف کیجیے گا جناب۔ یہ میز آپ کے لیے نہیں۔"

"یہ کارڈ ملاحظہ فرمائیے۔" انسپکٹر جمشید نے مُسکرا کر کہا اور کارڈ اس کے آگے کر دیا۔

بیرے کی نظریں کارڈ دیکھ کر پھیل گئیں۔

"ت ت۔ تشریف رکھیے جناب۔ تشریف رکھیے۔ آپ بالکل درست میز پر بیٹھ رہے ہیں۔"

عین اسی وقت ایک دُوسرا بیرا ان کی میز کے بیرے کے پاس آیا اور کان میں کچھ کہا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے اپنا رُخ موڑا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا چلا گیا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ کام شروع ہو گیا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہم کسی جگہ موجود ہوں اور کام شروع نہ ہو۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

عین اسی وقت ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ صرف سٹیج پر روشنی رہ گئی۔ پھر سٹیج کا پردہ اُٹھا اور ہال میں ایک آواز گونجنے لگی:

"حاضرین۔۔ آج کا خصوصی پروگرام اب شروع ہونے والا ہے۔ ماسٹر جیکی آپ کو ایسے کرتب دکھائیں گے۔ جو آپ نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھے ہوں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی پورا ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔

انسپکٹر جمشید نے بے چین ہو کر چاروں طرف دیکھا:

"خیر تو ہے ابّا جان۔ آپ پریشان ہیں۔"

"ہمارے والا بیرا ابھی تک نہیں لوٹا۔"

"تو پھر ہمیں کیا۔"

"آخر کیوں نہیں لوٹا۔ ہر میز پر بیرا مُوجُود ہے۔"

اسی وقت سٹیج پر سیاہ کپڑوں میں ملبوس ایک ادھیڑ عُمر آدمی نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بالکل سفید رنگ کے کبوتر تھے۔ اس نے بلند آواز میں کہا:

"حاضرین۔ آپ دیکھ رہے ہیں۔ میرے ہاتھ میں دو سفید کبوتر ہیں۔ لیجیے۔ میں انہیں چھوڑ دیتا ہوں۔"

اتنا کہتے ہی اس نے کبوتروں کو چھوڑ دیا۔ ان کے پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز ہال میں گونج اُٹھی۔ اور وُہ سٹیج پر چکر لگانے لگے۔

"حاضرین۔ آپ نے دیکھ لیا۔ یہ کبوتر بالکل اصلی ہیں زندہ سلامت ہیں۔ اب میں انہیں واپس بلاتا ہوں۔" اس نے کہا اور چٹکی بجائی۔ کبوتر فوراً اس کے ہاتھوں پر آ بیٹھے۔

ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اُٹھا:

"ارے! لیکن آپ لوگ تالیاں کیوں بجا رہے ہیں۔ ابھی تو میرا کمال شروع بھی نہیں ہوا۔"

تالیاں یک لخت رُک گئیں۔

"ملاحظہ فرمائیے - میرے ہاتھ میں ایک چاقو ہے۔"

تماشائیوں نے دیکھا، اس کے ایک ہاتھ میں واقعی ایک چاقو تھا- چمک دار پھل والا چاقو-

"کبوتر خود اپنی گردنیں چاقو پر پھیریں گے اور ذبح ہو جائیں گے۔"

"اوہ - اوہ" لوگوں کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا-

"فرزانہ - ہمیں اُلجھایا جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی-

"اوہ ! تو پھر - کیا ہم نکل چلیں۔" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا-

"نہیں - نکل چلنے سے مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔"

"آخر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اُلجھایا جا رہا ہے- ہال میں تو ہر طرف سکون ہے۔"

"بیرا ابھی تک واپس نہیں آیا- آخر کیوں ؟"

"ہوں - واقعی عجیب بات ہے-" فاروق بڑبڑایا-

ادھر سٹیج پر ایک کبوتر اپنی گردن چاقو پر پھیر رہا تھا- پھر لوگوں نے اس کا خون سٹیج پر گرتے دیکھا- لوگ سکتے میں آ گئے، پھر کبوتر تڑپ سے گرا اور ساکت ہو گیا، اب دوسرا کبوتر چاقو پر گردن پھیرنے لگا- جلد ہی وہ بھی گرا :

"اب میں ان دونوں کبوتروں کا قیمہ تیار کروں گا۔"

ماسٹر جیکی یہ کہہ کر بیٹھ گیا اور چاقو سے کبوتروں کے ٹکڑے کرنے لگا- پھر اس نے پاس ہی رکھی چھوٹی سی کلہاڑی اُٹھائی اور کبوتروں کے ٹکڑوں کو ایک لکڑی پر رکھ کر کوٹنے لگا- جلد ہی قیمہ تیار ہو گیا-

"آپ دیکھ رہے ہیں- ان کا قیمہ بن چکا ہے- اب میرا کمال دیکھیے-"

یہ کہہ کر اس نے قیمے کی دو چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں بنائیں- اور ان پر دو رومال رکھ دیے، پھر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا- اچانک رومالوں کے نیچے حرکت محسوس ہوئی- اس نے رومال اُٹھا دیے -

اچانک پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا- دونوں کبوتر ماسٹر جیکی کے ہاتھوں پر آ بیٹھے- اس نے ہاتھوں کو جھٹکا دیا اور وہ اُڑنے لگے -

بہت دیر تک تالیاں بجتی رہیں- آخر ماسٹر جیکی کی آواز پھر سنائی دی :

"اب دوسرا کمال پیش کرتا ہوں۔"

"خبردار - کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا - تم چاروں کی گردنوں سے ایک ایک پستول لگا ہوا ہے - چُپ چاپ اُٹھو

اور کلب کے اندرونی حصے کی طرف چلو۔ یعنی منیجر کے کمرے کی طرف۔"

انھوں نے اپنی گردنوں پر پستولوں کی نالیں چبھتی محسوس کیں۔ کن انکھیوں سے دیکھا تو اندھیرے کے باوجود ہر ایک کے سر پر ایک بیرا نظر آیا۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔" انسپکٹر جمشید پُرسکون آواز میں بولے۔ لہجہ بہت دھیما تھا۔

پھر وُہ اُٹھے۔ اور منیجر کے کمرے کی طرف قدم اُٹھانے لگے۔ ماسٹر جیکی اب ایک پلیٹ میں بہت سے انڈے لیے کھڑا تھا۔ اس کے سر پر کبوتر چکر لگا رہے تھے اور وُہ کہہ رہا تھا:

"یہ انڈے ان کبوتروں کے نہیں۔ بلکہ مُرغوں کے ہیں۔ وہ۔ میرا مطلب ہے، مُرغیوں کے ہیں۔ میں انھیں چھلکے بغیر اور توڑے بغیر نگلوں گا۔ یہاں تک کہ ایک ایک کرکے تمام انڈے نگل جاؤں گا۔ آپ گنتے رہیے گا۔ جتنے انڈے میرے پیٹ میں جائیں گے، اتنی ہی مُرغیاں مَیں مُنّہ سے نکالوں گا۔ ایسا نہ ہو۔ آپ سبھی میں کوئی گڑبڑ کر جائیں اور کوئی مُرغی میرے پیٹ میں ہی رہ جائے۔"

اس پر ہال میں ایک قہقہہ گونجا۔ ادھر وُہ منیجر کے کمرے

ان بڑھا رہے تھے۔

"بھئی۔ ہمیں یہ کرتب تو دیکھ لینے دیتے۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"خاموش رہو۔ مُوت تمھارے سروں پر کھیل رہی ہے۔ اور دیکھنے چلے ہو کرتب۔"

"اس لیے تو دیکھنے چلے ہیں۔ کہ مُوت سر پر کھیل رہی ہے۔ موت کے بعد کیسے دیکھ سکیں گے۔"

"خاموش۔" غرّا کر کہا گیا۔

"چُپ رہو بھئی۔ کہیں یہ غُصّے میں نہ آ جائیں۔" محمود بولا۔

اور پھر وُہ منیجر کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ ساتھ ہی منیجر کی آواز گونجی:

"کون ہو تم؟"

"ہمارے پاس جن کا کارڈ مَوجُود ہے۔ ان سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔"

"ہاں! ان سے بھی معلوم کیا جائے گا۔"

"کیا ہم نے کلب کو کوئی نقصان پہنچایا ہے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"یا کلب میں کوئی ہنگامہ کیا ہے۔" فارُوق نے کہا۔

"یا کلب کی مُرغیاں چرائی ہیں۔ مُرغیوں کی یہاں یُوں بھی

کیا کمی ہے۔ ماسٹر جکی سے بنوا لیتے ہوں گے۔" فرزانہ بولی۔

"تم لوگ چُپ نہیں رہو گے؟"

"اگر ہمارا چُپ رہنا اتنا ہی پسند ہے تو لیجیے۔ ہو گئے
چُپ۔" فاروق نے کہا

"اے مسٹر۔ تم بتاؤ۔ تم کون ہو؟" منیجر نے انسپکٹر جمشید
کو گھورا۔

"انسان!" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کارڈ تم نے کس طرح حاصل کیا؟"

"جادو کے ذریعے۔ مجھے کرتب دکھانے کے لیے کلب میں رکھ
لو۔ ماسٹر جکی سے بڑھ کر کرتب نہ دکھائے تو نام بدل دینا۔"
انھوں نے کہا۔

"نام تو تب بدل دیں گے نا جب ہمیں تمھارا نام معلوم
ہو گا۔"

"آخر آپ ہمارے ناموں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ آم اور
کھائیے۔ پیڑ گن کر کیا کریں گے؟"

"میرا خیال ہے۔ یہ لوگ میک اپ میں ہیں۔ ان کے چہروں
کو چیک کیا جائے؟"

"خبردار۔ ہمارے چہروں کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا۔ ورنہ ہاتھ
جل جائیں گے۔ ہم اپنا میک اپ خود ہی ختم کر دیتے ہیں!"

[...] بول اُٹھا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔" محمود نے بھنّا
کر کہا۔

"نہیں نہیں۔ تو ابھی تو نہیں چلا۔ جب چل جائے گا تو
بتا دوں گا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"فاروق ٹھیک کہہ رہا ہے۔ میک اپ خود ہی ختم کر دو۔
یہ لوگ بھی تو ختم کیے بغیر نہیں مانیں گے۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرے اور
میک اپ ختم کر دیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی یہی
[...]

"اوہ۔ آپ۔ یہ آپ ہیں۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔

"ہاں۔ ہم۔ اب بتائیے۔ مسٹر منیجر۔ یہ کیا چکر ہے۔ ہمیں
ہال سے اُٹھا کر یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ وہ بھی پستولوں کے
[...] پر۔"

"ہم آپ لوگوں کو غلط خیال کر بیٹھے تھے۔ کلب کو نقصان
پہنچانے کے ارادے سے ہمارے دشمن بھی تو آ جاتے ہیں اس
طرح۔"

"آخر اس کلب میں کیا ہو رہا ہے؟" محمود بولا۔

"یہاں۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ بس یہ دولت مند لوگوں

کے لیے تفریح کی جگہ ہے۔"

"لیکن یہاں آنے والے لوگ صرف سرکاری آفیسرز کیوں ہو
ہیں۔ اِدھر اُدھر کے دولت مند لوگ یہاں کے ممبر کیوں نہ
بنائے جاتے؟"

"یہ کلب کی پالیسی ہے۔" منیجر جلدی سے بولا۔

"اور کلب کی پالیسی یہ کیوں ہے۔ اس کی وجہ تو کو
ضرور ہوگی۔"

"وجہ کلب کے مالک جانیں۔ ہم تو ملازم ہیں۔" اس نے
کندھے اچکائے۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔ کلب کے مالک سے کہا
ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"وہ یہاں نہیں ہیں۔ ملک سے باہر ہیں۔"

"تب تو وجہ معلوم نہیں کی جا سکتی۔ ارے ہاں۔ فون پ
تو ان سے رابطہ قائم کیا ہی جا سکتا ہے؟"

"جی نہیں۔ وہ ان دنوں بیمار ہیں۔ اور ایک دوسرے
ملک کے سب سے بڑے ہسپتال میں داخل ہیں۔ دراصل وہ علاج
کرانے کے لیے وہاں گئے تھے۔ اس لیے ان سے فون پر
بات بھی نہیں کی جا سکتی۔"

"ان کا نام تو بتا ہی سکتے ہیں آپ۔"

جی ہاں! مسٹر جے ہارڈی۔"

شکریہ۔ یہاں ان کے وارث تو رہتے ہی ہوں گے۔"

جی نہیں! ان کا بنگلہ ساحلِ سمندر کے نزدیک ہی واقع

وہ اس دنیا میں تنہا ہیں۔"

پتا لکھوا دیں۔"

شوبرا ساحل۔ بنگلہ نمبر دو سو نو۔"

شکریہ۔ وہاں کون کون رہتا ہے؟"

صرف مسٹر جے ہارڈی۔"

ٹھیک ہے۔ فی الحال تو میں اس کلب کی تلاشی لینا
تا ہوں۔"

کیا مطلب۔ تلاشی۔" منیجر نے چونک کر کہا۔

ہاں! تلاشی۔"

مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کو کلب کی تلاشی لینے کی
زت نہیں دے سکتا۔ اور پھر آپ کے پاس وارنٹ بھی تو
ں ہیں۔"

"وارنٹ حاصل کرنا کیا مشکل ہیں۔"

"آخر اس کلب کی تلاشی لے کر آپ کیا کریں گے۔ یہاں
ئی غیر قانونی کام نہیں ہو رہا۔"

"تب پھر آپ کو تلاشی دینے میں کیا اعتراض ہے؟" انسپکٹر

جمشید مسکرائے۔

"اور یہ ابھی تک آپ کے آدمی ہمارے سروں پر پستول لیے
کیوں کھڑے ہیں۔" محمود نے جل کر کہا۔

"اوہ ہاں۔ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ تو انسپکٹر
جمشید ہیں۔" مینیجر بولا۔

بیرے قدرے پیچھے ہٹ گئے، لیکن پستولوں کے رُخ ہم
بھی ان کی طرف ہی رہے۔

"انھوں نے پستول جیبوں میں نہیں رکھے۔" انسپکٹر جمشید نے مُنہ
بنایا۔

"پستول جیبوں میں رکھ لو بھئی۔" اس نے کہا۔

پستول جیبوں میں چلے گئے۔

"حد ہو گئی۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"کس بات کی حد ہو گئی؟"

"پستول جیبوں میں چلے گئے ہیں، لیکن ان کی نالیں ابھی
تک ہماری طرف ہیں۔"

"یہ آپ لوگوں کا وہم ہے۔"

"اچھا خیر۔ تلاشی دے رہے ہیں یا نہیں؟"

"افسوس۔ نہیں۔"

"اس صورت میں میں زبردستی تلاشی لوں گا۔"

"لیکن یہ تلاشی غیر قانونی ہو گی۔"

"نہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ قانون سے ہم خود نبٹ لیں گے۔"
انھوں نے کہا۔

"بہت بہتر۔ جیسے آپ کی مرضی۔ کیا آپ خود تلاشی لیں
گے؟"

"نہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید فون کی طرف بڑھ گئے۔ انھوں
نے اکرام کو فون کیا اور ہدایات دینے کے بعد ریسیور رکھ
دیا۔

"اس طرح، ہمارے کلب کی جو بدنامی ہو گی۔ اور کاروبار
تباہ ہو گا۔ اس کی ذمے داری کس پر ہو گی۔" مینیجر نے جل
بھن کر کہا۔

"اگر ہمیں کوئی قابلِ اعتراض چیز نہ ملی تو اخبارات کے
ذریعے اعلان کر دیا جائے گا کہ ہمیں غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"اور آپ کارڈ کس سے لائے تھے؟"

"مسٹر خالد جیلانی سے۔"

"اوہ۔ ہمارے بالکل نئے ممبر۔" مینیجر چونکا۔

"ہاں! انھیں ممبر کس کی سفارش پر بنایا گیا ہے؟"

"کیوں۔ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟"

"بس پوچھ رہا ہوں۔ آپ جواب دینا پسند کریں گے یا نہیں۔"

"جی نہیں۔ یہ کلب کے اصول کے خلاف ہے۔ میں نہیں بتا سکتا۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"خیر خیر۔ تلاشی کے بعد آپ سے بات کروں گا۔"

"اس وقت آپ بات کرنے کے قابل نہیں رہ جائیں گے۔" منیجر نے بھنّا کر کہا۔

آخر اکرام ماتحتوں کے ساتھ پہنچ گیا۔ اس نے پہلے اپنے ماتحت چاروں طرف پھیلا دیئے اور پھر خود وارنٹ لے کر ان کے پاس پہنچا:

"تیاری مکمل ہے۔"

"ان سے وارنٹ پر دستخط کرالو۔ اور اپنا کام شروع کر دو۔"

"آپ اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہیں انسپکٹر صاحب۔ اس کلب کے مالک بہت اثر رسوخ والے آدمی ہیں۔"

"آپ کی مراد مسٹر جے ہارڈی سے ہے۔"

"جی ہاں!"

"لیکن وہ تو ایک دوسرے ملک میں زیرِ علاج ہیں۔ اور آپ ان سے فون پر رابطہ قائم نہیں کر سکتے۔"

"ان حالات میں تو رابطہ قائم کرنا ہی ہوگا۔"

"تو پھر۔ شوق سے کریں۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

عین اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک لمبے قد

کا غیر ملکی اندر داخل ہوا۔ اس کے سر کے بال بالکل سفید تھے:

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ روٹن؟"

"آپ کی تعریف۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"میں۔ میں جے ہارڈی ہوں۔ اس کلب کا مالک۔"

"ارے!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

بنگلہ

"آپ نے کیا فرمایا۔ جے ہارڈی۔ یہ نام ہے آپ کا؟"

"ہاں بالکل۔ مجھے اپنا نام غلط بتانے کی آخر ضرورت کیا ہے؟"

"لیکن۔ مسٹر روٹن کا کہنا تو یہ ہے کہ آپ علاج کی غرض سے دوسرے ملک گئے ہوئے ہیں۔"

"کیوں روٹن۔ یہ کیا بکواس کی تھی تم نے۔"

"مم۔ میں۔ یہ۔ تلاشی لینا چاہتے تھے۔"

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میرے بارے میں غلط بیانی سے کام لو۔"

"سر۔ یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔" روٹن بولا۔

"اوہو اچھا۔ بہت اچھی بات ہے۔ تو پھر۔"

"یہ ہمارے کلب کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"کیوں۔ کلب نے کیا کیا؟"

"کلب بے چارہ کیا کر سکتا ہے۔ کلب کے کرتا دھرتا کریں گے جو کچھ کرنا ہے۔"

"اور وہ کیا کر رہے ہیں؟"

"اگر وہ کچھ کر نہیں رہے۔ تو پھر۔ تلاشی پر اعتراض کیوں ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ۔ ہاں۔ بات معقول ہے۔ روٹن انھیں دل کھول کر تلاشی لینے دو۔"

"لیکن سر۔ ہمارے کلب کی ساکھ خراب ہو جائے گی۔"

"پروا نہیں۔ ہم ساکھ پھر بحال کر لیں گے۔"

"ہوں۔ بات معقول ہے۔" روٹن نے کہا، پھر ان سے بولا:

"ٹھیک ہے جناب۔ آپ تلاشی لے لیں۔"

"پروگرام کس وقت ختم ہوں گے؟"

"دو گھنٹے کے بعد۔ کیوں؟"

"ہم چاہتے تھے۔ تلاشی اس وقت شروع کریں جب کوئی ممبر اندر موجود نہ ہو۔"

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" روٹن نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر آج اسی وقت پروگرام ختم کر دینے کا اعلان کر دیں۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا جناب۔" فاروق مسکرایا۔

"آپ کو اسی وقت اعلان کرنا ہوگا۔"

"آپ سن رہے ہیں مسٹر جے ہارڈی۔" روٹن نے کہا۔

"بالکل سن رہا ہوں۔ اور کیسے نہ سنوں۔ میں کوئی بہرہ آدمی نہیں ہوں۔"

"تو پھر۔ آپ کیا کہتے ہیں؟"

"تم جانتے ہو۔ میں کس قدر با اصول ہوں۔ قانون کا کتنا احترام کرتا ہوں۔ انھیں فوراً تلاشی دینے کا انتظام کرو۔"

"جی۔ جیسے آپ کی مرضی۔" روٹن نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

اور اکرام کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"تو آپ بیرونِ ملک نہیں گئے ہوئے تھے؟"

"ہرگز نہیں۔ یہ ملک مجھے پسند ہے۔ میں یہیں پیدا ہوا تھا۔"

"لیکن آپ تو غیر ملکی لگتے ہیں؟"

"ہاں! میرے ماں باپ یورپین تھے۔"

"اوہ! کیا آپ کو مسٹر روٹن پر اعتماد ہے۔"

"کیا مطلب۔ کس سلسلے میں؟"

"کہیں ایسا تو نہیں۔ کہ اصل میں کلب کا وہ خود مالک بن گیا ہو۔ اور آپ اس کے برائے نام مالک رہ گئے ہوں۔"

"ارے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر بھی۔ بہتر ہوگا کہ آپ حسابات چیک کرا لیں۔ کسی اچھے ماہر سے۔"

"بہت بہتر۔ میں ایسا کر لوں گا۔"

اسی وقت سپیکر پر اعلان ہونے لگا۔ جلد ہی کلب کو خالی کر دیا جانے لگا۔ جب سب لوگ رخصت ہو گئے تو تلاشی کا کام شروع ہوا:

"میرا خیال ہے۔ ہمیں بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔" محمود بولا۔

"بالکل ٹھیک۔ میں بھی یہی کہنے والی تھی۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"تو پھر کہ کیوں نہیں دیا تھا۔"

"میں تمہارے کچھ کہنے کا انتظار کر رہی تھی۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ تینوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن انسپکٹر جمشید ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اعلان کرنے کے بعد روٹن پھر وہیں آ

گیا۔

"گویا آپ تلاشی میں حصّہ نہیں لیں گے؟"

"نہیں۔ میرا یہاں ٹھہرنا ضروری ہے، کیوں کہ یہاں مسٹر روٹن موجود ہیں۔"

"کیا مطلب۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میرا مطلب ہے۔ میں یہیں ٹھہروں گا۔ تم اپنا کام کرو۔"

"بہت بہتر!" فاروق نے کہا۔

اور وہ باہر چلے گئے۔

"آخر آپ کو کیا شک ہے؟" روٹن نے تلملا کر کہا۔

"پہلے تو آپ یہ بتائیے۔ آپ نے مسٹر جے ہارڈی کے بارے میں جھوٹ کیوں بولا تھا؟" انسپکٹر جمشید نے بُرا منہ بنا کر کہا۔

"آپ سے پیچھا چھڑانے کے لیے۔"

"اس طرح بھی پیچھا چھوٹتا ہے۔ ہاں ایک بات پر مجھے حیرت ہے!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کس بات پر؟"

"ہم ہال میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ آپ کو ہم پر شک کس طرح ہوا؟"

"انیس نمبر کارڈ کی وجہ سے۔"

"بالکل غلط۔ انیس نمبر کارڈ کی وجہ سے شک کیسے ہو سکتا

تھا۔ ممبر لوگ اپنے دوستوں کو کارڈ دے سکتے ہیں۔"

"مم۔ میں۔ وہ۔ وہ۔" روٹن بُری طرح ہکلانے لگا۔

"روٹن۔ تم ہکلانے کیوں لگے۔ انسپکٹر صاحب کی بات کا جواب دو۔" جے ہارڈی نے کہا۔

"جی بس۔ ہو گیا شک۔"

"نہیں۔ کوئی ٹھوس وجہ ضرور ہے شک ہونے کی۔"

"اس سے پہلے بھی انیس نمبر میز کا معاملہ گڑبڑ ہوا تھا۔ یہ میز دراصل انسپکٹر ساجد کی تھی۔ پھر اسی میز کا کارڈ خالد جیلانی صاحب کو دے دیا گیا، کیوں کہ انسپکٹر ساجد کی گم شدگی کی اطلاع ملی تھی۔"

"لیکن ہم صرف گم شدگی کی اطلاع پر اپنے ایک ممبر کا کارڈ کسی دوسرے ممبر کو نہیں دے سکتے۔" جے ہارڈی نے اعتراض کیا۔

"جی ہاں! یہی بات میں کہنا چاہتا تھا۔ دراصل انہیں یہ معلوم تھا کہ انسپکٹر ساجد کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"کیا!!!" جے ہارڈی اچھل پڑا۔ آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"جی ہاں: آج ہی انسپکٹر ساجد کے کارڈ کے ذریعے، ہم یہاں آئے تھے۔ اور انیس نمبر میز پر بیٹھنے لگے تھے، لیکن بیرے نے ہمیں بتایا کہ اس میز پر ایک اور صاحب بیٹھے ہیں

اور وہ باتھ روم تک گئے ہیں۔ وہ خالد جیلانی صاحب تھے۔ اس طرح
یہ معاملہ مسٹر روٹن کے سامنے پیش ہوا۔ اور ان کے منہ
سے نکل گیا کہ انسپکٹر ساجد تو مر چکا ہے۔ جب کہ اس کی
گم شدگی کی خبر اخبارات میں آئی تھی۔ آخر انھیں کس
طرح معلوم ہوا کہ انسپکٹر ساجد مر چکا ہے۔ اور اگر انھیں
یہ بات معلوم نہیں تھی تو انسپکٹر ساجد کا نمبر خالد جیلانی صاحب
کو کس طرح دے دیا گیا۔"

"اوہ۔ یہ۔ یہ تو بہت ہی حیرت انگیز باتیں ہیں۔" جے ہارڈی
حیران ہو کر بولا۔

"جی ہاں! اسی لیے تو کلب کی تلاشی لی جا رہی ہے۔" انسپکٹر
جمشید مسکرائے۔

"مسٹر روٹن۔ جواب دو۔ یہ کیا ماجرا ہے؟"
"میرے منہ سے ایسے ہی نکل گیا تھا۔ یہ میرے الفاظ
کو پکڑ بیٹھے۔ میں کیا جانوں۔ انسپکٹر ساجد کے ساتھ کیا گزری۔"
روٹن بولا۔

"یہ بات نہیں مسٹر روٹن۔ وہ واقعی مر چکا ہے۔ بلکہ اسے
قتل کر کے سمندر میں پھینکا گیا ہے۔"
"اوہ۔ اوہ۔" مسٹر جے ہارڈی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
روٹن کا رنگ اڑ گیا۔ اسی وقت اکرام اندر داخل ہوا۔

کے ساتھ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی تھے۔

❁

"کیوں بھئی۔ کیا رہا؟"
"کوئی ایسی ویسی چیز نہیں ملی جناب۔"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" انھوں نے چونک کر کہا۔
"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ہماری آمد سے پہلے تمام غلط
چیزیں ادھر ادھر کر دی گئیں۔"
"اوہ۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ کہ آخر یہ لوگ ہمارے
کمروں پر پستول لے کر کیوں کھڑے ہو گئے تھے۔ خیر۔
اب تم لوگ یہاں ٹھہرو۔ میں تلاشی لوں گا۔" انھوں نے
اٹھتے ہوئے کہا۔
"اور ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں؟"
"مسٹر جے ہارڈی اور روٹن پر نظر رکھنا ہو گی۔ یہ لوگ کوئی
حرکت نہ کرنے پائیں۔"
"آپ کا مطلب ہے۔ مم۔ میں بھی۔" جے ہارڈی حیران
ہو کر بولا۔
"جی ہاں۔ آپ بھی۔ شک کی زد سے باہر نہیں ہیں۔"

اگرچہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ معاملے سے الگ ہیں۔
لیکن ایک دوسری بات مجھے اُلجھن میں ڈال رہی ہے۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"اور۔ اور وہ کیا؟"

"انسپکٹر ساجد کی لاش ہمیں سمندر سے ملی ہے۔ اور شوبرا
ساحل کے پاس سے ملی ہے۔ آپ کا بنگلہ بھی اسی ساحل
پر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ ایک اتفاق ہے یا پھر انسپکٹر
ساجد کو شوبرا ساحل کے پاس سے ہی سمندر میں پھینکا گیا تھا۔"
انھوں نے کہا۔

"اوہ۔ اوہ۔ آپ تو مجھے بھی پھانسنے کے چکر میں ہیں۔" جے
ہارڈی فکرمندانہ لہجے میں بولا۔

"فکر نہ کریں۔ اگر آپ کا تعلق اس سارے معاملے سے نہیں
ہے تو پھر آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"لیکن انسپکٹر صاحب۔ آپ ہمارے خلاف بھی تو ابھی تک کچھ
ثابت نہیں کر سکے۔" روٹن نے جتا کر کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔ بہرحال ابھی ہماری کوشش جاری ہے۔"
یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید کمرے سے باہر نکل گئے۔ اور وہ ان
کا انتظار کرنے لگے۔

"روٹن۔ تم خود ہی سچ سچ کیوں نہیں بتا دیتے۔ آخر یہ معاملہ
یا ہے۔"

"کچھ ہو تو بتاؤں سر۔" اس نے کہا۔

"انسپکٹر جمشید جیسا شخص بلا وجہ شک نہیں کر سکتا۔"

"انتظار کریں۔ ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔" روٹن نے مُنہ
ا کر کہا۔

"اچھی بات ہے روٹن۔ اگر تمھارے خلاف کچھ ثابت ہو گیا
یں تمھیں کلب سے الگ کر دوں گا۔"

"ضرور جناب۔ ضرور۔ اس صورت میں انسپکٹر جمشید ہی مجھے
ب چھوڑیں گے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

آدھ گھنٹا گزر گیا، پھر انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے۔
ان کا منہ لٹکا ہوا تھا:

"اس کا مطلب ہے۔ آپ کو بھی کچھ نہیں مل سکا۔"

"نہیں۔ لیکن اس کے باوجود، ہم ناکام نہیں ہوں گے۔"
وہ بولے۔

"جی کیا مطلب۔ آپ کو اب بھی کامیابی کی امید ہے۔"

"ہاں! ایک مقام میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔ ہم اس
کی بھی تلاشی لیں گے۔" انھوں نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"اور وہ کون سا مقام ہے؟"

"اپنے آدمیوں کو کوچ کا اشارہ دے دو اکرام۔ ہم سیدھے وہیں چلیں گے۔ اور یہ دونوں حضرات بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔ کلب کے تمام بیرے حراست میں رہیں گے۔ میرا اشارہ مسٹر جے ہارڈی کے بنگلے کی طرف ہے۔"

"آخر یہ کس قانون کے تحت ہو رہا ہے۔" روٹن نے چیخ کر کہا۔

"اس کلب کی تلاشی باقاعدہ وارنٹ کے تحت لی گئی ہے، آپ چیخ کیوں رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

"اور بنگلے کی تلاشی؟" روٹن نے منہ بنایا۔

"مسٹر جے ہارڈی۔ ہم آپ کے بنگلے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے تو ہم وارنٹ منگا لیتے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"جی نہیں۔ بھلا مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔ میں بالکل صاف آدمی ہوں۔"

"مسٹر جے ہارڈی۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ کی کس قدر بدنامی ہوگی۔" روٹن غرایا۔

"بدنامی کیسی۔ یہ تو قانون کی مدد کرنا ہے۔" جے ہارڈی نے کندھے اچکائے۔

"شکریہ مسٹر جے ہارڈی۔ آئیے چلیں۔ مسٹر روٹن آپ کو

بھی ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"میرا بنگلے سے کیا تعلق؟"

"کیا آپ کبھی بنگلے نہیں جاتے۔"

"ضرور جاتا ہوں۔ کاغذات وغیرہ پر دستخط کرانے کے لیے تو جانا ہی پڑتا ہے۔ ضروریات کی چیزیں بھی بھجوانا پڑتی ہیں۔"

"بس تو پھر آپ کو بھی ساتھ چلنا ہوگا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ جب کلب کے مالک ہی کوئی اعتراض نہیں کر رہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ کیا مجھے ایک فون کرنے کی اجازت ہے؟"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں ابھی آیا۔" اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے۔ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ فون تو اس کمرے میں بھی موجود ہے۔"

"میں آپ کے سامنے فون نہیں کروں گا۔"

"اوہ! تب تو آپ فون نہیں کر سکتے۔"

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ نہیں کرتا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"آؤ بھئی۔ چلیں۔"

محمود ، فاروق اور فرزانہ کے چہرے اُترے ہوئے تھے :

"کیوں ۔ تمہیں کیا ہوا ؟"

"کلب کی تلاشی کے سلسلے میں ہمیں ناکامی کی ایک فی صد بھی امید نہیں تھی ۔"

"مجھے بھی نہیں تھی ۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے ۔

"لیکن آپ مُسکرا رہے ہیں ۔"

"ہاں ! ناکامیوں پر مسکرانا ہی بہادری ہے ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"آخر ہم اس بنگلے میں جا کر کیا کریں گے ۔ اصل شک تو ہمیں تھری سٹار کلب پر تھا ۔"

"کلب کا مالک ۔ اس بنگلے میں رہتا ہے ۔ وہ بنگلہ شوبرا ساحل کے قریب ہے اور شوبرا ساحل کے قریب سے ہی انسپکٹر ساجد کی لاش ملی ہے ۔"

"لیکن مسٹر جے ہارڈی تو بالکل اس معاملے سے الگ نظر آتے ہیں ۔"

"چہروں کا کیا ہے ۔ وہ تو عام طور پر دھوکا دے جاتے ہیں ۔"

"ہاں ! یہ تو خیر ہے ۔" محمود بولا ۔

اور پھر وہ شوبرا ساحل کے نزدیک پہنچ گئے ۔ بنگلہ نمبر

دس تو بالکل الگ تھلگ کھڑا نظر آ رہا تھا ۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے نہ جانے کیوں انسپکٹر ساجد کی لاش ان کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگی ۔

بنگلے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا ۔ جے ہارڈی نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور تالا کھولنے لگا ۔

اندازہ

تالا کھلتے ہی وہ سب اندر داخل ہوئے۔ بنگلہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس میں تین کمرے تھے۔ اوپر والے کمرے میں جے ہارڈی نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ باقی دو کمرے یوں ہی پڑے رہتے تھے۔

"آپ نے کوئی ملازم نہیں رکھا ہوا۔"

"نہیں۔ کلب سے ہی صبح شام ملازم آ جاتا ہے اور میرے گھریلو کام کر جاتا ہے، کھانا بھی کلب سے آتا ہے۔"

"جی۔ کیا کہا۔ کھانا کلب سے آتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

"ہاں! میں اکیلا جو ہوا۔"

"اور یہاں سے ساحل کتنے فاصلے پر ہے؟"

"زیادہ سے زیادہ ایک کلومیٹر کا فاصلہ ہوگا۔"

"آپ کے پاس کار تو ہوگی۔ اسے کہاں کھڑا کرتے ہیں؟"

بنگلے کے پچھلی طرف گیراج بنا ہوا ہے۔ کار اسی میں کھڑی ہے۔"

"اکرام۔ تم کار، گیراج، بنگلے کے دروازے وغیرہ سے انگلیوں کے نشانات اٹھوا لو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت بہتر سر!"

"ہم اندر کی تلاشی شروع کرتے ہیں۔"

یہ کہ کر وہ آگے بڑھے۔ اور نچلے دونوں کمروں کی تلاشی شروع کی۔ ایک طرف بڑا سا ٹوکرا رکھا نظر آیا:

"یہ کیا ہوا؟"

"پھلوں کا ٹوکرا۔ آج ہی روٹن نے بھیجا تھا۔"

"تو آپ کو ہر روز پھل بھی بھیجے جاتے ہیں۔"

"نہیں۔ ہفتے میں ایک مرتبہ۔ بیرا انہیں فرج میں رکھ دیتا ہے۔ اور سارا ہفتہ استعمال کرتا رہتا ہوں۔"

"پھل ہر ہفتے کس دن بھیجے جاتے ہیں؟"

"اتوار کے روز۔" اس نے کہا۔

"لیکن آج ہفتہ ہے۔"

"اوہ ہاں! روٹن نے اس مرتبہ ایک دن پہلے ہی پھل بھیج دیے۔ کیوں روٹن۔ یہ کیا بات ہے؟"

"مجھے اتوار کا ہی خیال تھا۔ اب یاد آیا، آج تو ہفتہ ہے۔"

اس نے فوراً کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر وہ ایک سادہ لباس والے کی طرف مڑے:
"تم یہیں کھڑے رہو۔ کسی چیز کو بھی کوئی شخص ہاتھ نہ لگانے پائے۔"

"او کے سر۔"

اب وہ اندرونی کمرے میں آئے، لیکن دونوں کمروں میں کوئی کام کی چیز نہ ملی۔ آخر اوپر والے کمرے میں پہنچے۔ یہاں ایک مسہری بچھی تھی۔ دیوار کے ساتھ چند کرسیاں رکھی تھیں۔ مسہری کے ساتھ ایک چھوٹی سی میز پر کھانے کی ٹرے رکھی تھی۔ ڈونگوں میں کھانا بھی موجود تھا:

"یہ کیا جناب! اتنی جلدی کھانا بھیج دیا گیا۔"

"جی نہیں۔ یہ دوپہر کا کھانا ہے۔ میری طبیعت خراب تھی۔ آج کھا نہیں سکا۔"

"ہوں۔ اچھا۔" انھوں نے کہا اور کمرے کا بغور جائزہ لینے لگے۔

"کیا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں؟"

"ابھی آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔ ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔"

"جی بہتر۔"

"میں ذرا نیچے جانا چاہتا ہوں۔ باتھ روم میں۔" ایسے میں

روٹن بولا۔

"ضرور جائیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔ پھر اس کے باہر نکلتے ہی انھوں نے محمود کو اشارہ کیا اور محمود اس کے پیچھے کمرے سے نکلا۔ اس نے بھی زینے کا رُخ کیا۔

اوپر والے کمرے میں بھی کوئی کام کی چیز نہ ملی۔ آخر وہ باہر نکل آئے۔

"فاروق! اس کمرے کو تالا لگا دو۔"

"جی۔ تالا لگانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بھئی لگا دو۔ اور چابی جیب میں ڈال لو۔"

"آپ ضرورت سے زیادہ پُر اسرار نظر آ رہے ہیں۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں تو۔ خیال ہے تمہارا۔"

تالا لگا کر وہ نیچے اُترے۔ محمود باتھ روم کے باہر چوکس کھڑا تھا۔ اسی وقت باتھ روم کا دروازہ کھلا اور روٹن باہر نکلا۔

"ہم یہاں اپنا کام مکمل کر چکے ہیں۔ اکرام۔ تمہارے ذمے ایک کام اور ہے۔"

"جی فرمائیے۔"

"اوپر کھانے کی ٹرے موجود ہے۔ اس میں کھانا بھی ہے۔

اس کھانے کا تجزیہ کرایا جائے گا۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ کھانے کا تجزیہ۔" جے ہارڈی نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! کھانے کا تجزیہ۔"

"آخر بات کیا ہے۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"میں آپ کو ایک گھنٹے کے بعد بتا سکوں گا۔ اسی جگہ۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد وہ سب پھر وہاں موجود تھے۔

"کھانے کے بارے میں رپورٹ آ گئی ہے سر۔" اکرام بولا۔

"بہت خوب۔ اس رپورٹ کا ہی مجھے انتظار تھا۔ دروازوں، کار اور گیراج وغیرہ پر کس کس کی انگلیوں کے نشانات ملے؟" انھوں نے پوچھا۔

"مسٹر جے ہارڈی، مسٹر روٹن، کلب کے چار بیروں۔ اور ایک اور آدمی کے۔"

"بہت خوب۔ وہ چاروں بیرے بھی یہاں موجود ہیں؟"

"جی ہاں! انھیں بھی کلب سے لے آئے ہیں۔"

"ویری گڈ! اب میں تفصیلات بتانے کے قابل ہوں۔ تھری سٹار کلب دارالحکومت کے سرکاری افسروں کو پھانسنے کا ایک ذریعہ ہے۔ بڑے بڑے سرکاری افسروں کو اس کا ممبر بنایا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ ان افسروں کے سامنے ان کے دوستوں کے ذریعے کلب کی تعریف کروائی جاتی ہے۔ اس طرح وہ افسر بھی ممبر بن جاتے ہیں، پھر ان ممبروں کی کمزوریوں کو نوٹ کیا جاتا ہے۔ ان کے خلاف کچھ تصاویر وغیرہ حاصل کی جاتی ہیں۔ ان تصاویر کے ذریعے انھیں بلیک میل کیا جاتا ہے۔ ان سے ملکی راز معلوم کیے جاتے ہیں۔ وہ نہ بتائیں تو تصاویر کو اخبارات میں شائع کرانے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ پھر یہ راز اس بنگلے تک لائے جاتے ہیں۔ اور یہاں سے دشمن ملک کی لانچوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ اور یہ کام اس قدر چھپ چھپاتے انداز میں ہو رہا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوتی۔ اور یہ کام نہ جانے کب تک جاری رہتا۔ لیکن۔ انسپکٹر ساجد میری نظروں میں آ گیا۔ وہ بھی ان کا شکار تھا، لیکن جب انھوں نے جان لیا کہ میں اس پر شک کر رہا ہوں تو انھوں نے اسے بھی ختم کر دیا۔ اور یہیں سے میں نے اس کیس پر

خاص توجہ دینا شروع کی۔ اس طرح میں تھری سٹار کلب تک پہنچا۔ اور وہاں سے اس بنگلے تک۔"

"آپ۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسٹر جے ہارڈی ان لوگوں کے باس ہیں۔" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"نن نہیں۔ یہ غلط ہے۔ میرے تو فرشتوں کو بھی پتا نہیں۔ کہ کلب میں اور یہاں یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے۔"

"ہاں! مسٹر جے ہارڈی۔ آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب۔ میں بالکل ٹھیک کہتا ہوں۔ یہ آپ خود کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں! جو حقیقت ہوا کرتی ہے۔ میں اسے بیان ضرور کیا کرتا ہوں۔ آپ کا ان جرائم سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ تو بس کلب کے مالک ہیں، لیکن آہستہ آہستہ برائے نام مالک رہ گئے ہیں۔ روڈن نے خاص پروگرام کے تحت آپ کو کلب سے بالکل الگ کر دیا ہے۔ اور آپ اس بنگلے بلکہ بنگلے کے اوپر والے کمرے کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ آپ عام طور پر سوتے رہتے ہیں۔ زیادہ وقت سو کر گزارتے ہیں، کیوں۔ ٹھیک ہے نا۔"

"جی۔ جی ہاں۔ میں خود حیران ہوتا رہتا ہوں کہ آخر مجھے اس قدر نیند کیوں آنے لگ گئی ہے۔"

"اس لیے کہ آپ کو نیند کی دوا کھانے میں شامل کر کے دی جاتی ہے۔"

"ارے!" اس کے منہ سے حیرت زدہ آواز میں نکلا۔

"جی ہاں! تاکہ آپ بنگلے اور کلب میں ہونے والی کارروائیوں سے بالکل بے خبر رہیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔"

"اور یہ لوگ اپنا کام بخوبی کرتے رہیں۔"

"حیرت کی بات ہے۔ کمال ہے۔"

"لیکن ابھی اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔"

"جی کیا مطلب؟"

"اس وقت تک تفصیل سننے کے بعد آپ نے یہ اندازہ لگایا ہو گا کہ اس سارے منصوبے کا باس مسٹر روڈن ہے۔"

"جی ہاں بالکل۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"لیکن بات یہ ہے کہ باس روڈن نہیں ہے۔"

"جی۔ کیا کہا۔ روڈن باس نہیں ہے۔" محمود چلا اٹھا۔

"ہاں! باس کوئی اور ہے۔ روڈن تو بس اس کی ہدایات پر عمل کرتا ہے۔ باس اس بنگلے تک بھی آتا ہے۔ اور ضروری

کام خود نبٹاتا ہے۔ کیوں کہ انگلیوں کے نشانات ان لوگوں
کے علاوہ ایک اور شخص کے بھی ملے ہیں۔ دوسرے یہ کہ
میں نے جب کلب پر چھاپہ مارنے کا پروگرام بنایا۔ اس
وقت ان لوگوں میں سے کوئی بھی پاس نہیں تھا۔ آخر روٹن
کو کس طرح پتا چل گیا کہ ہم انیس نمبر کا کارڈ لے کر میک اپ
میں کلب پہنچنے والے ہیں۔ اور کلب کی تلاشی وغیرہ لی جا
سکتی ہے۔ آخر یہ اطلاع روٹن کو کس نے دی؟"

"لیکن ابا جان۔ یہ کس بات سے ظاہر ہے کہ روٹن کو یہ
اطلاع مل گئی تھی؟"

"اگر اطلاع نہ ملی ہوتی تو چار پستولوں والے ہمیں اس
کے کمرے میں کیوں لے جاتے؟"

"اوہ ہاں!" فاروق بولا۔

"دوسرے یہ کہ کلب سے ہمیں کوئی کام کی چیز کیوں
نہ ملی؟"

"کام کی چیز۔ مثلاً؟"

"افسران سے حاصل کی جانے والی تازہ معلومات؟"

"لیکن وہ تو یہاں بھی نہیں ملیں؟" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہاں سے تو صرف انگلیوں کے
نشانات ملے ہیں۔ وہ کھانا ملا ہے جس میں نیند لانے والی

دوا شامل کی گئی ہے، لیکن تم ایک بات بھول رہی ہو فرزانہ۔
یہ کہ مسٹر روٹن نے اوپر سے باتھ روم میں جانے کی اجازت لی
تھی۔ اور میں نے اجازت دینے کے ساتھ ہی محمود کو اس کے
پیچھے لگا دیا تھا۔ آخر وہ نیچے آ کر کیا کرنا چاہتا تھا؟" اتنا کہہ
کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"کیا کرنا چاہتا تھا؟" فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تم ہی بتاؤ۔ ہر بات تو میں نہیں بتا سکتا۔"

انھوں نے جلدی جلدی ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
اور پھر فرزانہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا:

"اوہ! میں سمجھ گئی۔"

"چلو شکر ہے۔ کوئی تو سمجھا۔"

"اگر یہ بات ہے ابا جان تو پھر میں بھی سمجھ گیا۔" محمود
نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"رہ گیا بے چارہ فاروق۔ چچ چچ۔" فرزانہ نے افسوس ظاہر کیا۔

"میرا کیا ہے۔ میں تو رہ ہی جایا کرتا ہوں۔ ویسے اگر
تم سننا ہی چاہتی ہو تو میں بتا سکتا ہوں۔ ابا جان کا اشارہ
کس طرف ہے۔"

"ہائیں ہائیں۔ فاروق۔ تم بھی بتا سکتے ہو۔" فرزانہ کے لہجے
میں حیرت تھی۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔" فاروق تلملا کر بولا۔

"تم یوں ہی بن رہے ہو۔ معلوم تمہیں کچھ نہیں۔"

"اچھا۔ یہ بات ہے۔ لو میں کاغذ پر لکھے دیتا ہوں۔"

اس نے جل کر کہا اور کاغذ پر لکھنے لگا۔ محمود اور فرزانہ نے بھی کاغذ اور قلم سنبھال لیے۔ باقی لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"ہاں فاروق! تم بتاؤ۔ کیا لکھا ہے؟"

اور فاروق نے پڑھ کر سنا دیا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

انتظار کرو

"چلو یہ تو ہوا۔ تم تینوں ہی جان گئے ہو کہ کاغذات کس چیز میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور انھی کو وہاں سے نکال کر روٹن اِدھر اُدھر کر دینا چاہتا تھا جو وہ محمود کی وجہ سے نہیں کر سکا۔ اب میں چاہتا ہوں۔ باس خود یہاں دوڑا آئے۔ اور ہمارے جال میں پھنس جائے۔"

"جی۔ بھلا وہ یہاں کس طرح دوڑا آئے گا؟"

"اس کی ترکیب بھی میں سوچ چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یا اللہ رحم۔ اب فرزانہ کیا کرے گی۔"

"لو۔ میں ترکیب پر عمل کرنے لگا ہوں۔" انھوں نے جیسے فاروق کا جملہ سنا ہی نہیں۔ فون کا ریسیور اٹھایا۔ کسی کے نمبر گھمائے۔ سلسلہ ملتے ہی بولے:

"ہیلو اکرام۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ میں نے روٹن اور اس کے ساتھیوں کو ساحل والے بنگلے میں قابو کر لیا ہے اور اچھی طرح باندھ دیا ہے۔ مجھے فوری طور پر باس کی

طرف روانہ ہوتا ہے۔ تم ان لوگوں کو یہاں سے حوالات پہنچانے
کے لیے فوراً روانہ ہو جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ دیا:

"یہ۔ یہ کیا ابا جان۔ آپ نے انکل اکرام کو فون کیا
ہے۔ حالاں کہ انکل تو یہیں موجود ہیں۔" فاروق نے بوکھلا
کر کہا۔

"بھئی عقل کو ہاتھ مارو۔ ابا جان بھلا انکل اکرام کو
فون کر سکتے ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تم نے سنا نہیں۔ انھوں نے نام انکل اکرام کا ہی لیا
ہے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"تو کیا ہوا۔ باس کے نمبر گھما کر اگر ابا جان یہ الفاظ
کہیں تو کیا باس ادھر نہیں دوڑا آئے گا۔ اپنے ساتھیوں کو
چھڑانے کا نادر موقع خیال کرتے ہوئے۔" فرزانہ بولی۔

"اوہ ہاں! واقعی۔ کمال ہے۔ غضب کی ترکیب ہے۔" فاروق
نے کہا۔

"اور اب باس کا انتظار کرو، لیکن یاد رکھو۔ وہ تنہا
نہیں آئے گا۔ اس کے ساتھ ایک دو آدمی ضرور ہوں گے۔ اور ان
ایک دو آدمیوں میں وہ چھلاوہ بھی ہوگا۔"

"اوہ۔ اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

وہ انتظار کرنے لگے۔ روشن اور اس کے ساتھیوں کو وہ اچھی

طرح باندھ چکے تھے، پھر وہ بنگلے سے نکل کر درختوں کی اوٹ
میں کھڑے ہو گئے۔ آخر انھوں نے تین آدمیوں کو آتے دیکھا،
ان میں سے درمیانی آدمی کو دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئے۔
وہ خالد جیلانی تھا۔

"اُف اللہ! یہ تو خالد جیلانی صاحب ہیں۔"

"ہاں! یہی ان کا باس ہے۔ اگر باس نہ ہوتا تو میرے
فون کی اطلاع اکرام کو دینے کی کوشش کرتا۔ کہ میں نے غلطی
سے ان کا نمبر گھما دیا تھا اور یہ پیغام دیا تھا۔ تم دیکھ رہے
ہو۔ اس کے ساتھ دو آدمی ہیں۔ یہ ضرور خطرناک آدمی ہیں۔
ان میں سے ایک وہ چھلاوہ ہے۔ ہم نے جب خالد جیلانی
سے اس کا کارڈ مانگا تو اس نے فوراً روشن کو فون کر دیا۔
اسی لیے تو ہمارے سروں پر چار مسلح آدمی آ کھڑے ہوئے
تھے۔"

"ہوں! ہم سمجھ گئے۔"

جوں ہی وہ تینوں نزدیک آئے۔ انسپکٹر جمشید کی آواز گونج
اٹھی:

"بہت خوب جیلانی صاحب۔ آخر آپ میرے جال میں آ
ہی گئے۔"

"کیا مطلب؟" خالد جیلانی بُری طرح اچھلا۔

"تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ورنہ چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے دونوں ساتھی زمین پر گر
گئے اور بلا کی رفتار سے لوٹ لگاتے ہوئے درختوں کے پیچھے
چلے گئے۔ جیلانی کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

"تم نے لوٹ نہیں لگائی جیلانی۔"

"یہ لو۔" اس نے کہا اور فوراً زمین پر گر پڑا۔ دوسرے
ہی لمحے وہ بھی ایک درخت کے پیچھے ہو چکا تھا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم پوری طرح گھر چکے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔ ہم بالکل نہیں گھرے۔ تم لوگوں کو اب بھی
تگنی کا ناچ نچا سکتے ہیں۔" خالد جیلانی نے گرج دار آواز میں
کہا۔

"اچھی بات ہے۔ یوں ہی سہی۔ پہلے اپنے چاروں طرف درختوں
پر نظر ڈال لو۔"

"کیا مطلب؟"

"ان درختوں پر سادہ لباس والے موجود ہیں اور تمہیں
پوری طرح اپنی زد پر لیے ہوئے ہیں۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔"

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

"یہ تو کوئی بہادری نہ ہوئی انسپکٹر۔"

"کیا مطلب؟"

"ہمت ہے تو ہم سے دو دو ہاتھ کر لو۔"

"اچھی بات ہے۔ اپنے پستول دور پھینک دو۔ جیبیں ہمارے
سامنے الٹ دو۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

انھوں نے پستول پھینک دیے اور پھر سامنے آکر جیبیں
الٹ دیں:

"دیکھ لو انسپکٹر۔ ان میں اب کچھ نہیں رہا۔"

"لو۔ ہم مقابلے میں آگئے۔ تم بھی میدان میں آجاؤ۔ اور
میرے ساتھی جولی اور دومر کا مقابلہ کر کے دکھاؤ۔"

وہ تینوں ان کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

انسپکٹر جمشید بجلی کی سی تیزی سے تڑپے اور سیدھے باس پر
جا گرے۔ وہ سنبھل نہ سکا۔ یہ دیکھ کر اس کے ایک ساتھی
نے انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگائی۔ وہ فوراً ایک طرف ہو
گئے۔ نتیجہ یہ کہ اس کا ساتھی خود اس پر گرا۔ اس کی
چیخ نکل گئی۔ اتنے میں دوسرے ساتھی نے چھلانگ لگائی۔
انھوں نے اسے اپنی کمر پر روکا اور دوسری طرف اچھال دیا۔
وہ بھی باس پر گرا۔ تینوں گڈ مڈ ہو گئے۔

"آؤ بھئی۔ رک کیوں گئے۔" فاروق چہکا۔

ان میں سے ایک نے بھنا کر فاروق پر چھلانگ لگائی۔
فاروق فوراً چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اور وہ منہ کے بل گرا۔
دوسرا طیش میں آکر فرزانہ پر الٹ پڑا۔ فرزانہ زمین پر گری

اور لوٹ لگا گئی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ محمود نے اپنی جگہ سے حرکت
کی اور اس کی کمر پر ایک ٹکر دے ماری۔ وہ دھب سے گرا،
چند سیکنڈ گزر گئے۔ ان میں سے کوئی نہ اُٹھا:

"ارے بھئی بس۔ دم خم ختم ہو گئے کیا۔" فاروق بولا۔

"ہاں! یہ ہماری زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا ہے۔ اور اس
کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہمارا بُرا وقت آ گیا ہے۔ اب ہم
چاہے کتنی کوشش کریں۔ کچھ نہیں بنے گا۔" باس نے کہا۔

"اچھا۔ تمھاری مرضی۔ چلو بھئی اکرام۔ گرفتار کر لو انھیں۔ اور
ان سے ان کے دوسرے ٹھکانوں کا پتا کر لینا۔" انسپکٹر جمشید
مسکرائے۔

"اب پتا چلا۔ میں اس لیے ساحلِ سمندر کی سیر کے لیے
بے چین تھا۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"اور ہمیں بھی پتا چل گیا۔" محمود بولا۔

"کیا پتا چل گیا؟"

"یہ کہ اب جب بھی تم کہیں جانے کے لیے بے چین ہو گے،
کوئی نہ کوئی چکر چل کر رہے گا۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"اگر اللہ کی مرضی یہی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس
نے مایوسانہ لہجے میں کہا اور سب مسکرانے لگے۔

لیکن تم ایک بات بھول رہی ہو فرزانہ۔
دوا شامل کی گئی ہے، یہ کر مسٹر روٹن نے اوپر سے باتھ روم میں جانے کی اجازت لی
تی۔ اور میں نے اجازت دینے کے ساتھ ہی محمود کو اس کے
پیچھے لگا دیا تھا۔ آخر وہ نیچے آ کر کیا کرنا چاہتا تھا۔" اتنا کہ
کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"کیا کرنا چاہتا تھا؟" فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تم ہی بتاؤ۔ ہر بات تو میں نہیں بتا سکتا۔"

انھوں نے جلدی جلدی ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
اور پھر فرزانہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا:

"اوہ! میں سمجھ گئی۔"

"چلو شکر ہے۔ کوئی تو سمجھا۔"

"اگر یہ بات ہے آبا جان تو پھر میں بھی سمجھ گیا۔" محمود
نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"رہ گیا بے چارہ فاروق۔ بیچ بیچ۔" فرزانہ نے افسوس ظاہر کیا۔

"میرا کیا ہے۔ میں تو رہ ہی جایا کرتا ہوں۔ ویسے اگر
تم سننا ہی چاہتی ہو تو میں بتا سکتا ہوں۔ ابا جان کا اشارہ
کس طرف ہے۔"

"ہائیں ہائیں۔ فاروق۔ تم بھی بتا سکتے ہو۔" فرزانہ کے لہجے
میں حیرت تھی۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔" فاروق تلملا کر بولا۔

"تم یوں ہی بن رہے ہو۔ معلوم تمھیں کچھ نہیں۔"

"اچھا۔ یہ بات ہے۔ لو میں کاغذ پر لکھے دیتا ہوں۔" اس نے جل کر کہا اور کاغذ پر لکھنے لگا۔ محمود اور فرزانہ نے بھی کاغذ اور قلم سنبھال لیے۔ باقی لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"ہاں فاروق! تم بتاؤ۔ کیا لکھا ہے؟"

اور فاروق نے پڑھ کر سنا دیا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

انتظار کرو

"چلو یہ تو ہوا۔ تم تینوں ہی جان گئے ہو کہ کاغذات کس چیز میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور انھی کو وہاں سے نکال کر روٹن اِدھر اُدھر کر دینا چاہتا تھا جو وہ محمود کی وجہ سے نہیں کر سکا۔ اب میں چاہتا ہوں۔ باس خود یہاں دوڑا آئے۔ اور ہمارے جال میں پھنس جائے۔"

"جی۔ بھلا وہ یہاں کس طرح دوڑا آئے گا؟"

"اس کی ترکیب بھی میں سوچ چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یا اللہ رحم۔ اب فرزانہ کیا کرے گی۔"

"لو۔ میں ترکیب پر عمل کرنے لگا ہوں۔" انھوں نے جیسے فاروق کا جملہ سنا ہی نہیں۔

فون کا ریسیور اٹھایا۔ کسی کے نمبر گھمائے۔ سلسلہ ملتے ہی بولے:

"ہیلو اکرام۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ میں نے روٹن اور اس کے ساتھیوں کو ساحل والے بنگلے میں قابو کر لیا ہے اور اچھی طرح باندھ دیا ہے۔ مجھے فوری طور پر باس کی

طرف روانہ ہونا ہے۔ تم ان لوگوں کو یہاں سے حوالات پہنچانے کے لیے فوراً روانہ ہو جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ دیا۔

"یہ۔ یہ کیا ابا جان۔ آپ نے انکل اکرام کو فون کیا ہے۔ حالاں کہ انکل تو یہیں موجود ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"بھئی عقل کو ہاتھ مارو۔ ابا جان بھلا انکل اکرام کو فون کر سکتے ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تم نے سنا نہیں۔ انھوں نے نام انکل اکرام کا ہی لیا ہے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"تو کیا ہوا۔ باس کے نمبر گھما کر اگر ابا جان یہ الفاظ کہیں تو کیا باس ادھر نہیں دوڑا آئے گا۔ اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کا نادر موقع خیال کرتے ہوئے۔" فرزانہ بولی۔

"اوہ ہاں! واقعی۔ کمال ہے۔ غضب کی ترکیب ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اور اب باس کا انتظار کرو، لیکن یاد رکھو۔ وہ تنہا نہیں آئے گا۔ اس کے ساتھ ایک دو آدمی ضرور ہوں گے۔ اور ان ایک دو آدمیوں میں وہ چھلاوہ بھی ہوگا۔"

"اوہ۔ اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

وہ انتظار کرنے لگے۔ روشن اور اس کے ساتھیوں کو وہ اچھی

طرح باندھ چکے تھے، پھر وہ بنگلے سے نکل کر درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ آخر انھوں نے تین آدمیوں کو آتے دیکھا، ان میں سے درمیانی آدمی کو دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئے۔ وہ خالد جیلانی تھا۔

"اُف اللہ! یہ تو خالد جیلانی صاحب ہیں۔"

"ہاں! یہی ان کا باس ہے۔ اگر باس نہ ہوتا تو میرے فون کی اطلاع اکرام کو دینے کی کوشش کرتا۔ کہ میں نے غلطی سے ان کا نمبر گھما دیا تھا اور یہ پیغام دیا تھا۔ تم دیکھ رہے ہو۔ اس کے ساتھ دو آدمی ہیں۔ یہ ضرور خطرناک آدمی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ چھلاوہ ہے۔ ہم نے جب خالد جیلانی سے اس کا کارڈ مانگا تو اس نے فوراً روشن کو فون کر دیا۔ اسی لیے تو ہمارے سروں پر چار مسلح آدمی آ کھڑے ہوئے تھے۔"

"ہوں! ہم سمجھ گئے۔"

جوں ہی وہ تینوں نزدیک آئے۔ انسپکٹر جمشید کی آواز گونج اُٹھی:

"بہت خوب جیلانی صاحب۔ آخر آپ میرے جال میں آ ہی گئے۔"

"کیا مطلب؟" خالد جیلانی بُری طرح اچھلا۔

"تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ورنہ چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے دونوں ساتھی زمین پر گر
گئے اور بلا کی رفتار سے لوٹ لگاتے ہوئے درختوں کے پیچھے
چلے گئے۔ جیلانی کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

"تم نے لوٹ نہیں لگائی جیلانی؟"

"یہ لو" اس نے کہا اور فوراً زمین پر گر پڑا۔ دُوسرے
ہی لمحے وُہ بھی ایک درخت کے پیچھے ہو چکا تھا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم پوری طرح گھر چکے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔ ہم بالکل نہیں گھرے۔ تم لوگوں کو اب بھی
ٹکّی کا ناچ نچا سکتے ہیں۔" خالد جیلانی نے گرج دار آواز میں
کہا۔

"اچھی بات ہے۔ یوں ہی سہی۔ پہلے اپنے چاروں طرف درختوں
پر نظر ڈال لو۔"

"کیا مطلب؟"

"ان درختوں پر سادہ لباس والے مَوجُود ہیں اور تمھیں
پوری طرح اپنی زد پر لیے ہوئے ہیں۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔"

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

"یہ تو کوئی بہادری نہ ہوئی انسپکٹر۔"

"کیا مطلب؟"

"ہمت ہے تو ہم سے دو دو ہاتھ کر لو۔"

"اچھی بات ہے۔ اپنے پستول دُور پھینک دو۔ جیبیں ہمارے
سامنے اُلٹ دو۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

انھوں نے پستول پھینک دیے اور پھر سامنے آ کر جیبیں
اُلٹ دیں:

"دیکھ لو انسپکٹر۔ ان میں اب کچھ نہیں رہا۔"

"لو۔ ہم مقابلے میں آ گئے۔ تم بھی میدان میں آ جاؤ۔ اور
میرے ساتھی جولی اور رومر کا مقابلہ کر کے دکھاؤ۔"

وُہ تینوں ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

انسپکٹر جمشید بجلی کی سی تیزی سے تڑپے اور سیدھے باس پر
جا گرے۔ وُہ سنبھل نہ سکا۔ یہ دیکھ کر اس کے ایک ساتھی
نے انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگائی۔ وُہ فوراً ایک طرف ہو
گئے۔ نتیجہ یہ کہ اس کا ساتھی خود اس پر گرا۔ اس کی
چیخ نکل گئی۔ اتنے میں دوسرے ساتھی نے چھلانگ لگائی۔
انھوں نے اسے اپنی کمر پر روکا اور دوسری طرف اچھال دیا۔
وُہ بھی باس پر گرا۔ تینوں گڈمڈ ہو گئے۔

"آؤ بھئی۔ رک کیوں گئے؟" فاروق چہکا۔

ان میں سے ایک نے جھنّا کر فاروق پر چھلانگ لگائی۔
فاروق فوراً چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اور وُہ منہ کے بل گرا۔
دُوسرا طیش میں آ کر فرزانہ پر الٹ پڑا۔ فرزانہ زمین پر گری

اور لوٹ لگا گئی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ محمود نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور اس کی کمر پر ایک ٹکر دے ماری۔ وہ دھب سے گرا، چند سیکنڈ گزر گئے۔ ان میں سے کوئی نہ اُٹھا:

"ارے بھئی بس۔ دم خم ختم ہو گئے کیا۔" فاروق بولا۔

"ہاں! یہ ہماری زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا ہے۔ اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہمارا بُرا وقت آگیا ہے۔ اب ہم چاہے کتنی کوشش کریں۔ کچھ نہیں بنے گا۔" باس نے کہا۔

"اچھا۔ تمھاری مرضی۔ چلو بھئی اکرام۔ گرفتار کر لو انھیں۔ اور ان سے ان کے دُوسرے ٹھکانوں کا پتا کر لینا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اب پتا چلا۔ میں اس لیے ساحلِ سمندر کی سیر کے لیے بے چین تھا۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"اور ہمیں بھی پتا چل گیا۔" محمود بولا۔

"کیا پتا چل گیا؟"

"یہ کہ اب جب بھی تم کہیں جانے کے لیے بے چین ہو گے، کوئی نہ کوئی چکر چل کر رہے گا۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"اگر اللہ کی مرضی یہی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا اور سب مُسکرانے لگے۔